

ناؤں طہ

فائزہ لفظیت  
Ujala @



”دلس خالہ یوں سمجھو لدکی نہیں ہیرا ہے۔ بلہ چاہیے۔“ تدوش آرائے تقی میں سرہلاتے ہوئے  
ہیراموتی ہے۔ ”  
”ایں؟ مولی؟ پیلی پیلائی اور ہوسے“ اچانک اسے یار

UrduPhoto.com

Ujala @

Ujala @



رکھا، کچھ سورج کے ہی رکھا ہو گا۔ شاید چاند کے رانگوں  
اور بینے کے چہرے میں کچھ مماثلت محسوس ہوئی ہوں  
”خالہ! میں بچ کرہ رہا ہوں، وہ لڑکی بس آپ کے  
چن لیے ہی بنتی ہے۔ آپ کے گھر کا روشن بنتے  
کے لائق ہے۔“  
”آئے ہائے میرا تو ایک ہی رونق نے دماغ مکھا را  
سے۔“

انہوں نے اور لشکر کے پیغمبرے کی طرف اشارا کیا۔  
اب کے تیمور بھنا کے انٹھ گیا۔ اس کھڑی میں مکنہوں سے  
زیادہ ان کے پاتتو جانوروں کا راجح تھا۔ وہ رستہ کے  
تھکب جاتا، مگر ہر بار کسی نہ کسی ایک کا نام بھول جاتا۔  
ایک پارہ تو حد ہی ہو گئی۔ ہر لڑکی میں میں میخ نکالنے والی  
روشن اُرائی خالہ کو اللہ اللہ کر کے ایک لڑکی بھاہی گئی۔  
بات تقریباً یک ہو چکی تو تھی، تیمور نے تو دونوں جانب  
پیس کے جانکڑے کے مطالعے بھی سوچ کے رکھ لیے  
تھے کہ اچانک روشن اُرائی خالہ کو پتا چلا، لڑکی کے ایک  
بھائی کا نام راجو ہے اور سوئے اتفاق، خالہ کے پاتو تک  
کا بھی نام یہی تھا۔ اب اس حین اتفاق پر خالہ کو تو  
غاصب اعترض کرنا تھا اور یہ تھا کہ کیسی آنے والی بھو  
استے اپنی نال کا مسئلہ نہ بنانے کو یہ کاربجھکار کے ائے  
کتے کو بلاشیں اور وہ سمجھتی کہ یہیں کے بھائی کا نام آئے  
لے کے اسے چڑانا خالہ تھا ہے، خوا مخواہ بد مرگی ہوتی۔  
دیگر نال بھائی جا رہا ہے؟ اسے کھرا دیکھ کے  
روشن اُرائی خالہ نے کہا۔

”مجھے اور بست کام ہیں خالہ! آج کل سینز ہے،  
وہڑا دھڑ رشتے طے ہو رہے ہیں، منگنیاں، شاریاں  
ہو رہی ہیں، مجھے فرصت کھاں ہے۔ ایک آپ ہی ہیں  
جو معاملہ لٹکائے بیٹھی ہیں۔ اب تو لوگ باشیں بنانے  
لگے ہیں۔“ ۱۵

کے ہیں۔“

-ی بامیں! ۱۰  
”یہی کہ روشن آرائی کی شادی کرنا ہی نہیں چاہتی۔ کسی پرانی لڑکی کو اپنی سلطنت عالیہ میں شریک نہیں کرنا چاہتی۔ بیٹے کی تکمائلی یہ اکیلے راج کرنا چاہتی

آیا کہ ہیرا موٹی ان کے دنبوں کی جوڑی کامنام ہے۔  
”ارے خالہ! میرا کہنے کا مطلب تھا کہ وہ ہیرے  
موٹی جیسی نایاب اور بیش قیمت ہے۔“  
”ہیرا موٹی کھاں کے نایاب ہیں، لگے پھرتے ہیں  
کھلے، ہاں میرے والے ذرا زیادہ ہی پل گئے ہیں  
کھا کھا کے اور یہ تو سننے کیتا کہا، بیش قیمت ارے مہنگی  
ہو یا سستی؟“ میں خرید کے ہوئے ہیں لانی۔“  
”لا حول ولا قوة...“ تیمور نے اب بھی بھی قسم کی  
تبیہ یا استعارہ استعمال کرنے سے توبہ کر لی۔  
”میں بھی کھاں سر چاہ رہا ہوں۔ یا یوں کو بھینس  
کے آگے میں بجارتا ہوں۔“ اس کی بڑی ماہث میں سے  
روشن آراؤ صرف لفظ ”بھینس“ سنائی دیا۔  
”بھینس دیں گے جیز میں؟ نہ بھی مجھے نہیں دارا!  
کھاتی ایسی بھو اور ایسا جیز۔ میرا پھر پھر پھر پھر ہی  
بہترے ڈھور ڈنگر ہیں، میں جو کھاں باندھتی پھروں  
گے۔“

”کی۔“  
”یا میرے بولا، کتھے پھنس گیا۔“ اس سے دو نوں  
مشیوں میں بال بوقتِ قائلے۔ ”خالہ! میں نے کل جنیز  
کا نام لیا؟“  
”تو کیا وہ خود کمالی مجھ ہے۔ دیکھ یہ تیمورے! میراچن  
ورگا سوہنا پتر ہے۔“ بھی رنج کے سوہنی  
چاہے۔“

یمور نے سرد آہ بھر کے چاہتھ میں تھامیں لداں چینیں دیے۔  
درگے سوہنے کی فتوحہ نظرِ ذاتی سز کوٹا جن سے دُگنی  
گھنی بھنوں۔ اور ان گھنی بھنوں کی باڑی کے پیچے جو  
سیاہ نکلتے تھے، ان کو بغور دیکھنے کے بعد انساف ہو گئے  
کہ یہ موصوف کی آنکھیں تھیں، اور اتنا باریک بنی  
سے دھونڈ لینے کے بعد جب پتا چلتا ہے کہ ان آنکھوں  
کا کردار ٹھیک نہیں، روٹھی روٹھی سی اک دوچے سے  
منہ پھیرے رہتی ہیں، تب اپنی تلاش پہ خود لعنت بھیجنے  
کو جی چاہتا ہے مولے چھوڑ لے گا اور ان پہ پرانے  
مہاسوں کے نشان جن کو دیکھنے سے آندازہ ہو گا ہے کہ  
روشن آرائے اپنے سپوت کا نام ”چن“ بلاوجہ نہیں ہے۔

بھلا تم کتنے سال کے ہو گئے زیادہ سے زیادہ چونہ برس تھے تم اس عمر میں۔“

”یعنی اعتراض صرف ہیری عمر ہے ہے، اپنے اور پورا کافی نہ ہے کہ وہ سال پلے بھاگ جانے کی ساری کوائیز موجود تھیں۔“ اس نے یہ بات زبان سے کہنے کے بجائے دل میں کرنا زیادہ مناسب جانا۔ ابھی پانچ سو بقایا جو رہتے تھے

”آپ نے تو مٹھائی کے پیے تک نہ دیے تھے“

”ایک کلو مٹھائی جو دی دی تھی۔“  
تو کون سا اپنے پلے سے دی تھی۔ لڑکے والے شکر کے طور سے لائے تھے، اس میں سے ہی انداز ایک کلو نکال لئے شارپ میں دال دی۔ اتنی شرم آئی، لفافِ اٹھا کے گھر لے جاتے ہوئے۔“

”اچھا اچھا شادی ہوئے تو ساری کسر نکال دوں گی۔“ فہمیدہ نے پانچ سو کے گھوٹکے کو حضرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

یہ لڑکا سے خاصا منگارا تھا۔ سملے و فرشتے لایا، اور سرالی دندناتے پھر رجھتے۔ اینی ٹھانیتے کے لئے اتنا احصار شدھو دیا ہے تو کیا ان لوگوں کے دل جلانے کے لیے کرایہ الگی۔ شکر ہے تیرارشتہ، آخری ثابت ہوا مگر باتیں کی ہو جانے پڑیں۔ اکیلے ہزار کے بجائے تین ہزار، ایک گرم سوچتے تو دو کلو مٹھائی اور پر فیوم کا مطلبہ لیا۔ بڑی مشکل سے تین اکے بجائے دو ہزار پکڑا ہوا۔

گرم سوچ تو نہیں البتہ گھر سے ایک واش این ویر شلووار قمیص کا کپڑا انکل آیا، وہی دے کر جان خلاصی کی۔ پر فیوم کے لیے شادی تک کے سماں وعدے پہ ملالے اور لڑکے والوں کے ہاں سے آئے پانچ پانچ کلو مٹھائی کے دونوں پوکروں میں سے چن چن کے بکواس آئٹھم ایک لفاف میں دلان کر ایک کلو پورا کیا۔ اور وہ جو دو ہزار دینے کا وعدہ ہوا تھا اس میں سے بھی پندرہ سو دے کر پانچ سو ”باتی پھر سی“ پا اٹھا پیے گئے۔ وہ بھی پائی پائی کا حساب رکھنے والوں میں سے تھا۔ چھ بار فون

جنو غیرہ غیرہ“ خاک پرے ایسی باتیں کرنے والوں پر۔ اب ان کی لذکر تو نہیں لاسکتی۔“ ارجمند دال چھوٹکے وہ اگلے محلے چلا گیا جہاں پھملے بہتے ہی دال مکائی تھی۔“ دکھل ہوتی ہیں آپ آئی جی جی۔

مناطب کی بر سالی تک مطابق رہتے جو نہیں میں وہ امیر تھا۔ روشن آ، اور ان خاتون میں عمر کا زیادہ فرق نہ تھا۔ مگر ان کے ذاتی شدہ تراشیدہ بال پیچی ہوئی۔ بھنوں کے شوخ رنگوں کے لباس اور ہر وقت لکھی رہنے والی لپ اشک دیکھنے کے بعد بھی اگر وہ انہیں خالہ کہہ کے پکارتا تو اسے یہاں دوبارہ داخلے کی اجازت نہ ملتی۔ اس لیے اس نے فہمیدہ خاتون کو بڑے اشائل سے فرمی آئی کام رہا۔

”کتنے فون کرچکا ہوں آپ کو۔ بھی پتا چلتا قصور گئی ہیں، بھی خبر ملتی فیصل آباد۔ خیر تو ہے؟“  
”فیصل آباد میرا میکہ ہے تو قصور میں میرے لیے وہاں نہ جاتی۔ اپنے ہمیہ ہیانے کی امارت اور اپنے ہونے والے داماد کی وجہت ہے کے ایسے ایسے قصے سنائے ہیں کہ سب کے سینوں پر کھنکنے لئے سان لوٹ گئے۔“

”وہاں تو آپ خوب دھوال پھیلا کے آئی ہیں لیکن کچھ پچھے والوں کا بھی وھیان کر لینا تھا۔ میرے پانچ سو روپے اتنی باتی ہیں آپ کی طرف۔“

”یوبہ بڑے بے انتبارے ہو تم۔ میں کوئی بھاگ گئی تھی۔“

”اب اس عمر میں آپ کہاں بھاگیں گی اور کس کے ساتھ بھاگیں گی فرمی آئی۔“ نہیں، بس یہی کوئی آٹھوں سال پلے ارادہ کرتیں تو میں ہی پتایا ہو جاتا۔“ ”چل ہست بد تیز۔“ وہ شرمائیں۔ ”وس سال پہلے

کرنے پر بھی نہ ملیں تو خود چلا آیا وصولی کرنے  
”تیمور بھائی! آپ کو بینک والوں کی اماں بلا رہی ہیں۔“ فتحی آٹھ کے چھوٹے بیٹے نے پیغام دیا۔ وہ  
بیٹ بہل اٹھائے باہر سے آ رہا تھا۔ یہ ”بینک والوں کی  
اماں“ بھی تیمور کا ہی دیا خطاب تھا۔

ای ٹھلی کے تیرستے مکان میں جو اس محلے کا سب  
سے اوپنچار مکان تھا، ایک بیوہ مگر باری عب خاتون ایسے  
تین ہونصار بیٹوں کے ساتھ رہتی تھیں، جو تین کے  
تین ہی بینک میں ملازم تھے۔ بڑیے والے کا مقدر تو  
خاندان میں ہی کمیں پھوڑ بیٹھی تھیں، دوسرے کے  
نفیب میں سیاہی گھولنے کا فریضہ تیمور کو سونپا، جو حال  
ہی میں اس ذمہ داری سے سر خرد ہو کر سبک دوش ہوا  
تھا۔ ”اُن سے کہو، میں فارغ نہیں۔“

”وہ کہہ رہی ہیں، ضرور آؤ،“ بہت ضروری کلمہ  
ہے۔ ”اب کیا تیر اول والا ہیں؟ انہوں میں کھلنے لگا۔“ وہ  
یہ سوچ کے چلا آیا کہ شاید اب تیر لے لیے رہ کی  
ڈھونڈنے کا کام لگانا ہو درنہ جس گھر کا کام تمام کر دے۔  
یعنی کام پورا ہو جائے وہ اُنے جائے جائے اختتامی  
کیا کر رہا تھا۔

”جی پھر جان،“ حکم، ”اس نے سفید بے داع کلف  
لگا چکن کا سوت پنے بیٹھی بینک والوں کی اماں سے  
پوچھا۔

”اے رہ کے! یہ بتا کہ یہ ”بابر“ کون ہے؟“ انہوں  
نے پھوٹتے ہی سوال کیا۔

”بابر...“ وہ ذہن پر زور دالنے لگا۔

”ہاں بابر کسی وہ اکبر کا دادا تھا۔“

”ہیں؟ اکبر...؟ یہ مواکون ہے؟“

”آپ اکبر کو نہیں جانتیں، حیرت ہے اکبر شنزادہ  
سلیم کا باپ تھا۔ آپ پیزیہ نہیں بو جھے گا کہ شنزادہ سلیم  
کون؟ بھی وہ انار کی والا۔“

”انار کی کا ہو یا بھائی دروازے کا،“ فتح دوست میں  
اس سلیم کا میرا مطلب ہے، اس موئے اکبر ان تو بھی

یعنی اس بابر کا نہیں پوچھ رہا۔ میں اس بابر کا پوچھ رہا  
ہوں جو ہماری اس نئی نویں بمورانی ناکرزن بے پوچھ رہا  
”بس جی، سوال کا جواب تو آپ نے خود کے پر  
یعنی ہے آپ کے دو نمبر بیٹے، میرا مطلب ہے دوسرے  
والے بیٹے کا سالانہ“

”سالا ہے تو سالا بن کے رہے۔ درنہ نہیں تھا ابھی  
طرح بتانا آتا ہے کہ سالوں کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا  
ہے۔ یہی رہ کی ڈھونڈ کے دی ہے تم نے۔ لیکن تم  
ہوا نہیں بیاہ کے آئے ہوئے اور سرال میں محبت  
نامے پہنچنے شروع ہو گئے۔“ انہوں نے تکیے کے پر  
اک کارڈ نکالا جس پر آئی مسک یو لکھا نظر آ رہا تھا۔  
”ریکل کی ڈاک سے آیا ہے۔ بھی، ہم تھم  
صف دل دیوانی کے روشن خیال، آزاد طبیعت  
توں میں شکر کرنا تو ہماری فطرت میں ہی نہیں۔ اس  
لیے خود کھول کر جیکھ کرنے کے بجائے سید عابد ہو کے  
ہاتھ میں دیا۔ اس کے اپنے قلہ میں چور تھا، اس کے  
لغا فہ الٹ پلٹ کر دیکھتے ہی مذاہیزے پوچھ کرنے کے  
یعنی کام پورا ہو جائے وہ اُنے جائے جائے اختتامی  
کیا کر رہا تھا۔

”کیا تیر اول والا ہیں؟ انہوں میں کھلنے لگا۔“ وہ  
یہ سوچ کے چلا آیا کہ شاید اب تیر لے لیے رہ کی  
ڈھونڈنے کا کام لگانا ہو درنہ جس گھر کا کام تمام کر دے۔  
یعنی کام پورا ہو جائے وہ اُنے جائے جائے اختتامی  
کیا کر رہا تھا۔

”جی پھر جان،“ حکم، ”اس نے سفید بے داع کلف  
لگا چکن کا سوت پنے بیٹھی بینک والوں کی اماں سے  
پوچھا۔“

”اے رہ کے! یہ بتا کہ یہ ”بابر“ کون ہے؟“ انہوں  
نے پھوٹتے ہی سوال کیا۔

”بابر...“ وہ ذہن پر زور دالنے لگا۔  
”ہاں بابر کسی وہ اکبر کا دادا تھا۔“

”ہیں؟ اکبر...؟ یہ مواکون ہے؟“

وہ اس کے کروار و شخصیت کے بارے میں حتیٰ رائے دے سکتا تھا۔ یہ صلاحیت رشتے ناتے طے کرواتے ہوئے خوب کام آتی تھی۔ اور وہ بینک والوں کی امال کی اس ایک ماہ پر الی بسو کے چال چلن پہ ایسا غلط الزام برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا۔

”آپ کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ آپ نے امبرہا بھی سے پوچھتے ہوتا۔“

”اس سے تو پہنچتی ہے میری جوئی ہے میں اپنے ربے سے پچھے کسی سے بات کرنا پسند نہیں کرتا۔“ اب بات ہو گی تو اس کے مولانا بابا پسے اور حاجی مان میں سے بڑا دین دار بنے پھرتے ہیں۔“

”چلیں اماں۔“ امبر سیاہ گاؤں میں ملبوس، حجاب پہنچنے کرنے سے نکلی۔

”ریکھاں دیکھا کتنی بے قرار ہے میکے جانے کو۔“ دن اٹھا کئے پھر تلہ کھی۔ چلیں اماں! در ہورہی ہے، ان میرے سے پہلے تیار ہو کے آگئی تھے۔ انہوں نے کے آفس سے آئے ہے پہلے پہلے لوٹا بھی ہے۔“

”نہیں۔“ بہت مشکل ہے انہوں نے حلق میں اپنی بات میں وزن پیدا کر لیے تیمور کو متوجہ کیا۔

”اماں! آپ نے خود ہی تو کہا تھا تیار ہونے کو کہ آپ میرے ساتھ رہنے کے لیے جانا جاتی ہیں۔“

”میں تو ابھی پچھلے ہفتے ہو کے آئی ہی اور ابھی مزید دس بارہ دن تک میرا جائے، کا کوئی ارادہ نہ تھا کیونکہ میرے ابا جان بیٹیوں کا میکے میں نہیں وہ آنا جانا پسند نہیں کرتے۔“

”ہاں، اللہ اللہ کر کے جو جان پچھوٹی ہے۔“

”میں تو بابر کے بلا نے ہے بھی نہیں گئی۔ خالانکہ وہ صرف میری خاطر وہاں آیا تھا۔ لیکن جس دن وہ لاہور جو

آیا، اس سے ایک دن پہلے ہی تو میں میکے سے آئی تھی۔ اگلے ہی دن کسیے چلی جاتی۔ بے چارہ اوس ہو کے واپس چلا گیا، شاید ناراض بھی ہو۔ خیر میں مناولوں کی۔“

”تو یہ توبیہ“ اماں نے لفڑی پہنے مگر تیمور چوکنا ہو گیا۔ اگر امبر کے دل میں کھوٹ ہو تو وہ بابر نام کے اپنے کزن کا ذکر کرتی ہی کیوں۔ اور وہ بھی اس کے

”آگئے تم؟“ امی نے کچن کی کھڑکی سے جھانک کے دیکھا۔ وہ تھکا تھکا سا جو گرز اتار رہا تھا۔  
”کہاں خجل خوار ہوتے رہتے ہو؟“  
”شوق نہیں سے مجھے مجبوزی ہے۔“ ساری دشمنیوں، رکشوں کے دھکے کھانا ہوتے ہیں اور باقاعدہ قسم کی بحث کی شو قین عورتوں کے ساتھ مغزماری کرنا ہوتی ہے۔“

تو کس نے مشون دیا تھا یہ سب بخوبی کو۔ ” وہ  
پہلے میں بننے کے اس مشتعلے سے عاجز تھیں۔ ” کوئی  
ہندو نہ کام بھی نہ کر سکتے تھے ”  
” یہاں ایک اے ہمیں اے دالے ذکریاں ہاتھ میں  
لے لے بے کار پھر رہتے ہیں میں تو پھر بھی لی اے دوبار فیل

”ذکری والی نو کرنے کے علاوہ اور بہترے کام ہیں۔  
بہت غریب دالے نے سی تکڑا ہی کام کے مقابلے میں تو  
کوارا ہیں جو تم کرتے ہو۔ صادقہ کام کے مقابلے میں تو  
دالے ہو میں کام کرتا ہے، لوگوں کے لئے اپنے زور پر  
بھرا اور بر مکر پسختا ہے۔ پانچ ہزار ماہوار تنخواہ ہے، رکھانا  
فری اور موڑ سائیکل میں پیروں بھی وہ ڈلواتے ہیں۔ تم  
لی اے نہ کر سکے، اس بد نفیب سے تو ایف اے تک  
نہ ہو سکا پھر بھی کام مل ہی گیا۔ جتنی محنت تم کرتے ہو،  
اس سے تو کم ہی کرتا ہے مگر حار لئے گوں جس بیٹھ کر عربت  
سے بتا تو سکتا ہے کہ کیا کام کر رہا ہے۔ تم سے کوئی پوچھے  
تو کیا کہو گے کہ پیش رشتے کرتا ہوں یا وہ آنا گوند ہتھے  
ہوئے زور زور سے بول رہی تھیں۔ ساری بھڑائی منہ  
کے رستے طعنے کی شکل میں نیکل رہی تھی اور لس جکل کا  
کچو مر بینے لی خواہیں اے پہ کئے مار کے پوری  
ہو رہی تھیں۔ نہ سمجھتا چھ سات منٹ میں ہی وہ  
رُسکون اور ٹھنڈی ہو گئیں۔ اس کے لیے ڈرے میں  
کھانا لگا کر لاتے ہوئے وہ اب خاصی بندار مل تھیں۔  
”لو، تمہارا دلستہ کا آلو انڈے کا سالنے کے

”آپ سے کس نے کہا، مجھے یہ ملغوبہ پیش ہے“  
”ابھی اس دن تلوٹ پڑے تھے اسی ملغوبہ پیش ہے“ جو  
برا بروالوں کے ہاں سے آیا تھا۔ گھر کا پکاراں تم نے  
چھوڑا تکنہ تھا۔ ”انہوں نے یادو لانے کی کوشش کی۔  
”یاد ہے کہ اس دن آپ نے مو نگروں کی سخت  
بدیودار قسم کی بھجیا بنائی تھی اور دوسرا بات یہ کہ اس  
دین میں نے ناشتہ تک نہ کیا تھا، ایک اور اہم وجہ یہ بھی  
تھی کہ میری جیب بالکل خالی تھی، میری بازار سے نان  
پٹوٹے تک لینے کے قابل نہ تھا۔ اس لیے پڑو شیوں  
کا بھیجا وہ آلو انڈے کا ہندی سے بھرپور سالن میرے

لے من دسلوئی کے برابر تھا۔ لیکن آج میرے پڑ  
پانچ سوروپے کی ”دیساڑی“ ہے۔ رات کو ایک اڑ  
ز لئے کی شاندار ضیافت بھی اڑانا کے جس میں تو  
فیصلہ کی میرا ہاتھ ہے، میری سرتوز کو شمشک سک شاہزاد  
ہو تک نہ ان موصوف کو لیمہ کیسے ہوتا، جن کا بہادر  
عقيقة نہیں ہوئے کا۔ اس لیے آج میرے سارے  
شوربے میں تیرتے آؤانڈے ہر گز نہ لائے جائے  
”رات کو لیمہ ہے۔ تو کتنے بے تک نکلو۔“  
سے؟“ اس کی بقا یا بکواس نظر انداز کرتے ہوئے انہوں  
نے کچھ سوچ کے پوچھا۔

”کہتی ہیں تو ابھی نکل جاتا ہوں۔“ وہ پڑکے لایا  
جو گزر میں پیر پھنسانے لگا۔

تو تو بے ہر وقت جلتے تو یہ بیٹھے رہتے ہو، مرا  
پوچھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ تم سات بجے تک تم  
تو ہوئے؟

”ظاہر ہے اب پیسا اتاوا لابھی نہیں ہو رہا میں  
و یعنی کے کھانے کا، ہر سفنتھی ایسی کسی شادی کا  
دغوت نامہ آتا ہے۔ اور اگر جلدی چلا بھی گیا تو کھانا  
جلدی کی تھوڑا ایسی سلطھ کا۔ مہنگی کا فنکشن ہواز  
رجلدی جانے کی کوئی ٹک بھی ہوئی، زرا شغل میلسے“  
”ڈپچ ہو جاؤ یمور۔“ انہوں نے ہاتھ جوڑے  
”تمہیں بھائیت بھائیت کی عورتوں کے ساتھ زنا  
ند اکرات کر کر کے لے تکان بولتے رہنے کی عادات  
ہوئی ہے، اسی طرح مجھے بھی اکیلے رہ رہ کے خاموش  
رنے اور خاموش کرداشت کرنے کا عادی۔“ یوگم

ہے۔ تمہارا چھپر چھاڑ کے بولنا مجھ سے سماں نہیں جاتا۔  
منطلب کی بات سن اکرو اور مطلب کی کیا کرو۔ برا احسان  
ہو گا۔

”پھلے سچ کئے مطلب کی بات پھر گہ کریں گی کہ  
دناری مطلب کے

”بھولی کافون آیا تھا حاجی صاحب کے ہاں۔“

”یہ کون محترمہ ہے؟“

”میرے چھا سامی کی بیٹی سے۔ یعنی کہ میری چاپی کی بھاجی، اس کی سگی بہن کی سگی اولاد میری چاڑل

بہن شریا تینجی کی خالہ زاد بہن۔ شمع بھولی۔  
”واہ، بڑا فرمائی رشتہ ہے، خیر کیا فرمایا ان محترم نے  
کہ میرا سات بے کے سے پہلے باہر نکلنا ستاروں کے  
 مقابل نحیک نہیں۔“  
”وہ آج شام سات بے کی ٹرین سے لاہور آ رہی  
ہے میرے ہاں یہ خیر ہے کی۔“  
”وہ کس حساب میں؟“ ایسی کوئی قربی یا سگلی رشتہ  
داری تو ہے نہیں جو ہم مہمان نوازیاں کر رہتے پھریں۔  
”تم اپنے دھیمال والوں کی طرح آئیں، آئنے کے  
وقت میں میرے خاص کوئی قابو نہیں ہوتا۔“

پہنچے مرتے رہنا، پیار محبت اور خلوص کی قدر نہ جانتا۔  
رستے داری سے بھی برمہ کے ایک چیز ہوتی ہے وہ تھی۔  
میرے میکے میں مشترکہ خاندالی نظام تھا۔ میرے ابا،  
تیا، دونوں چھاپے اپنے اپنے کنبے کے ساتھ مل کے  
اک ہی بڑے سے گھر میں رہتے تھے۔ سب کے ملنے  
حلنے والے، نورے گھر کے مہمان، ہذا اگرے سب  
چھٹیوں میں اکثر شمع بھولنا اپنی خالیہ یعنی میری چاچی کے  
پاس رہنے آتی تھی، ہم دونوں ہم عمر تھیں، جلد ہی ہم  
میں پہنچا ہو گیا۔ یہ بھی شریا قینچی کے ساتھ نہ میری  
بنتی تھی نہ اس کی شریا تھی تو لامی کا نام قینچی تھا۔  
پڑ گیا تھا۔ میں اور ستم بھولی یوں بجھو ایک جان دو  
قالب تھے۔ شارمنی کے بعد ملنا جانا کم ہو گیا۔ پھر بچے  
بڑے ہو گئے۔ اور دس سال تک یہی جب تمہارے ابا کی  
وفات کے بعد ہم لاہور آ کے ایسی ہو گئے تو بس ملنا جانا  
برائے نام رہ گیا۔ اب گاؤں میں میرا کون رہا تھا جو ملنے  
جاتی۔ عرصے بعد وہ آرہی ہے، میرا نارے کے خوشی کے برا  
حال ہے اور تم یہ اعتراض کر رہے ہو کہ وہ تمہاری لگتی  
کہاں سے اسے جو لگتے ہیں، وہ کتنا بوجھ لئے ہیں۔

ہمیں۔ گاؤں میں عزت سے گزر بسر ہو رہی تھی۔  
تمہارے چچا نے یہاں کار و بار شروع کیا تو تمہاری دادی  
کو لے کے لا ہو رہی انھر آئے میں یہ عورت سوچا  
تم اپنوں سے دور نہ ہو جاؤ، باب کے بعد دوسرے  
رشتوں سے بھی محروم نہ ہو جاؤ، تمہیں لے کر ان کے  
بیچھے پہنچئے لا ہو رکی مہنگائی میں پیٹے کے لیے پہنچ گئی۔  
ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے کوئی پوچھتا تھا کہ نہیں۔

ایسے میں کوئی خلوص کا مارا اتنی دور سے آ رہا ہے تو  
اے نعیمت جانو۔ ”

”کوئن جانے“ وہ خلوص کے نوگرے برسانے آرئی  
ہیں یا کسی مظلومت شے۔“

”تمہارے دل میں تو میل بھرا ہے۔ اس بچاری کو ہم سے کیا مطلب ہو گا۔ اس بھلی ماں کو مطلب نہ لانا آتا تو اسے لوگ بھولی کرنا پکارتے“

”ہاں۔ کچھ عجیب سا ہی نام ہے، بھولے بھولا پہلوان کا نام تو سناتھا، انہیں بھی پہلوانی سے شفف نہیں رہا۔“

”چپ بد تیز۔ خالہ لگتی ہیں وہ تمہاری نام تو مل  
پاپ نے برا بھلا سار کھا تھا۔ سمع بچپن سے ہی بہت  
سیدھی سازدی تھی ب دوسرے لفظوں میں بدھو کرہ اور  
اور اکثر اس کی بعض چیزوں توں اور بدھو اسیوں یہ اسے پڑھ  
کے بڑے بدھو بھی کہہ دیا کرتے تھے حالانکہ بے  
وقوف ہر گز نہ تھی بخوبی اسی میں طاق سینے پر ڈونے  
میں ماہر، اچھی بھلی سیانی، بخوبی زیاد اسی اور چالاکیں  
نہیں آتی تھیں اور قسمت بخوبی بیاہ کے جہاں تھیں  
وہاں ایک سے بڑھ کے ایک چالاک و عیار بھرا ہوا تھا۔  
لیکن ایک سے اس کی اسماں بڑی مردیاں اور جنگجو عورت  
تھیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
حُمَّیٰ۔ (۱۱)  
”تو پھر اللہ بھلائی کوں بخشنے یہ آپ جیے لوگ ہیں  
جو ظالم کے حق میں چھپی مغفرت کی دعائیں مانگ انگ  
کے اہمیں دیدہ دیسر کرتے ہیں۔ کہ جی آخر نیک لوگوں  
کی دعا سے بخشتا توجاہی ہے تو پھر کیوں نہ مل کھول کے  
اندھیر مجاہیا جائے۔“

”مرنے والے کو کون برا کرتا ہے، ہاں اس کی تنوں  
خندیں اب تک دھرتی پر پوجھ ہیں، ان کے کرتوت کی  
روز فرضیت میں تمہیں تفصیل سے سناؤں گی۔ بغیر  
قطع برید کے

”اور اگر تب تک ان میں سے بھی کوئی ایک آدھ لڑک گئی تو یہ حضرت حضرت ہی رہے کی کیونکہ مرنے والی کو آپ نے اللہ بنخشنے کہہ کر بری الذمہ کر دیا ہے۔“

”ہات کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہو۔ تمہارا تصور نہیں، جو کام پکڑ رکھا ہے اس کا پچھا اثر تو آتا ہے۔ ملکہ رہی ہوں۔ منع پہلی بار لا ہور آرہی ہے ورنہ بھلی عورت انی وجہ سے بھی کسی کو زحمت نہیں دیتی۔ رکھ پکڑ کے آجائنا تھا اس نے میں نے ہی منع کیا کہ میرا بینا تمہیں لینے آجائے گا، تم کہاں جوان جہن لڑکی کے ساتھ خوار ہوتی پہنچ گوئے۔“

”کمال کے جھٹت باز ہو تم۔ تم بس اشیش پہنچ ہاؤ۔ پلیٹ فارم نمبر دو سو سات بجے آنے والی تیز گام کی بوگی نمبر آٹھ کے آٹھ کھڑے ہو جانا۔ تمہاری تصور میں نے ابھی پچھلے سال بھجوائی تھی گاؤں، ضرور بھولی ہے ابھی دیکھ رکھی ہوگی، آخر اس کی بچپن کی سیلی کے بیٹے کی تصور پر تھی۔ وہ خود ہی تمہیں پہچان لے گی اور بالفرض ایسا نہ بھی ہوا تھا بھی اتنی عقل تو ہے تم میں کہ ایک بیال کی عمر کی خانوں، جس نے ایک سیدھی سادی گاؤں کی لڑکی کا ہاتھ تھام رکھا ہوا اور جو آس پاس کی شناسا چھرے کی تلاش میں نظریں دوڑا رہی ہو، اسے تم اپنی بھولی خالہ سمجھ کے گھر لے گو۔“

”ہاں اور گھر لے کے جو تیاں کھاؤ کہ سیکھ لئی کو اٹھا تک نے لڑکی نہ دیکھ لی تھی، ناکر رشتہ لاتی پہنچا۔“ اسیں جانوئے، ایسیں جانوئے، یہی اذیت ناٹک ایک تو خاندان کا کوئی اور بریٹک سی دور پرے کے رے کی بھی کا نام منتخب کرتا اور ہبہاں کروی جاتی کہ کسی بڑے نے یہی کیا ہے تو تھیک ہی کیا ہو گا۔ اب تو خاندان کی کنواری بالشت بھر پچیاں بھی جب تک ہونے والی بھا بھی یا پچھی پسند نہ کر لیں، ہاں نہیں کی جاتی۔ بھولی کی بخوبی اب تک بیٹھی ہے، مای میں چالانکی ہوتی تو خاندان میں ہی کہیں کھیا چکی ہوتی۔ مگر اس بیچارہ میں اتنی عقل کہاں۔“

”آیا تو تھا۔ یاد نہیں، تمہارے تاؤ جی اور تائی جی جھ کر کے آئے تھے تب سارا خاندان ہواں اڈے کیا تھا۔ میں نے بھی دو پھولوں کے ہار کے ساتھ دو دروپے کے نوٹوں والے بھی دوبار منگوائے تھے ہائی کیا زمانہ تھا، ایک روپے اور دو روپے کے بھی نوٹ ہوا کرتے تھے۔ نوٹ کا رعب ہی اور ہوتا ہے، کر کتائی کر ارائے اب تو پانچ روپے کا بھی سکہ نکل آیا ہے، ساری وقت ہی ختم کر کے رکھ دی ہے پانچ روپے کی۔ خیر تو میں کیا کہہ رہی تھی، تم خود ہی نہیں گئے اپنے تایا، تائی کے

”بات کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہو۔ تمہارا تصور نہیں، جو کام پکڑ رکھا ہے اس کا پچھا اثر تو آتا ہے۔ ملکہ رہی ہوں۔ منع پہلی بار لا ہور آرہی ہے ورنہ بھلی عورت انی وجہ سے بھی کسی کو زحمت نہیں دیتی۔ رکھ پکڑ کے آجائنا تھا اس نے میں نے ہی منع کیا کہ میرا بینا تمہیں لینے آجائے گا، تم کہاں جوان جہن لڑکی کے ساتھ خوار ہوتی پہنچ گوئے۔“

”جوان جہان لڑکی ہے؟ لا ہور نہیں، پہلے کیا جوان جہان لڑکیاں کم ہیں جو وہ ایک اور لے کے آئی ہیں۔ اپ جانتی ہیں اس وقت لا ہور شر کا سب سے بڑا اور اہم مسئلہ جوان جہان لڑکیاں ہیں جن کو نہ کانے لگاتے لگاتے بھی جیسوں کو دانتوں تلے پیسہ آ جاتا ہے۔“

”یہ صرف لا ہور یا اس جیسے بڑے شروں کا ہی مسئلہ نہیں، اب چھوٹے قصبوں اور دیہاتوں میں بھی یہ مسئلہ خطرناک حد تک پھیلی گیا۔ پھر پھیلے دیہاتوں میں لڑکیاں خاندانِ ذات پر اور لڑکی کا ایک دوسرے کو ریکھنا تو بڑی دور کی بات تھی، بعض اوقات لڑکے کی نیز ریکھنا تو بڑی دوسرے کی بات تھی، کوئی جسے بڑے شروں کا ہی تک نے لڑکی نہ دیکھ لی تو تھی کہ کسی بڑے نے خاندان کا کوئی اور بریٹک سی دور پرے کے رے کی بھی کا نام منتخب کرتا اور ہبہاں کروی جاتی کہ کسی بڑے نے یہی کیا ہے تو تھیک ہی کیا ہو گا۔ اب تو خاندان کی کنواری بالشت بھر پچیاں بھی جب تک ہونے والی بھا بھی یا پچھی پسند نہ کر لیں، ہاں نہیں کی جاتی۔ بھولی کی بخوبی اب تک بیٹھی ہے، مای میں چالانکی ہوتی تو خاندان میں ہی کہیں کھیا چکی ہوتی۔ مگر اس بیچارہ میں اتنی عقل کہاں۔“

”تو لا ہور کیا وہ عقل سکھنے آرہی ہیں؟“ وہ ان بن بلائے مہماںوں سے جھلایا ہوا تھا۔

”جو بھی کرنے آرہی ہیں، تمہیں کیا تکلیف ہے؟“ تمہیں جتنا کہا ہے، اتنا کرو جو وقت پر اشیش جا کے انہیں لے آؤ۔“

”میں انہیں پہچانوں گا کیسے؟ کوئی تصویر پر غیرہ ہے؟“ عین وقت پر کمال کا گذر مل گیا۔

استقبل کو درہ تج سے آنے والوں سے اپنے جانے کا  
دکھائی دینے لگا۔

برما شاپ سے "مگر ای بگاوس سے آنے والوں کو رسیو کرنے میں  
آنکھیں درد کی شدت سے موندے ان سیاروں کو  
دریافت کر رہا تھا جو بند آنکھوں کے پچھے پھڈک  
پھڈک کے ساتھ ہزار ہے تھے۔

"تم لاہوریوں کو باہر سے آنے والا ہر مندہ بھولا ہی  
لگتا ہے، ہمارے چک میں بھی برا برداسانا بندہ ہوتا ہے،  
تمہاری ہمت کسے ہوئی مجھے بھولی کہنے کی میں تو ساری  
برادری میں سیالی یوا کے نام سے مشہور ہوں۔ ساری  
طلاقیں میں کرتی ہوں، ہر جوڑا اپنے اپنے رائی  
بھڑک لونے کے تھے؟"

"توبہ کر لیں خالہ! میں تو آپ کو گھر لے جانے آتا  
تھا، ہر بیٹوں کے لئے کارروائی تو یہ میری والدہ محترمہ کی  
پھیلائی ہوئی دس انفصالیں کا نیچہ ہے، ہو سکتا ہے،  
جب آپ سے آخری بار یہی تھیں تب آپ کو زمانے  
کی ہوانہ لگی ہو، آپ واقعی صحیح کی بھولی ہوں۔ آپ  
کہہ رہا تھا۔" میں بولی حک فلانے فلاں نے کی خوش  
پیشکش۔ "اے اللہ الکریم! ملاؤں کا کیا ہے، یہیں میں طبع

حیرت انگیز طور پر ہے، میں پورے سات بجے بیٹھ  
فارمایہ آکے رک گئی۔ وہ آئری نے والیوں میں سے کسی  
بوکھلاتی ہوئی عمر سیدہ خاتون کو متلاش کر رہا تھا، جن کے  
ساتھ ایک پیپریڈ و رشیدن، مہراں یا رجھوٹا پیپر لڑکی  
بھی ہو۔ بالآخر اس کی عقالي نگاہوں نے کوہر مقصود  
دھوندہ ہی نکلا۔ سبز کریپ کے جوڑے پہلے اور سرخ  
برے بڑے گلاب کے پھول بننے تھے، چاٹا سلک کا  
دوپٹہ پیلا اور سرخ رنگا ہوا تھا جس کے کناروں پر بڑا دل  
لگا کے سبز رنگ کے کروشے کی پیٹل بی بی کی ہے۔ پیلا  
رہاندہ دور سے لشکر پیٹل بی بی کی ہے۔ ناک میں بڑا سا  
"کوکا" ہونٹوں پر پیٹل رنگ کی لپی اسٹک، رسمی پیڑوں  
میں پینے میں لٹھائی اس ہونق سی لڑکی کا حلیم پکار پکار کے  
کہہ رہا تھا۔ "میں بولی حک فلانے فلاں نے کی خوش  
پیشکش۔" اے اللہ الکریم! ملاؤں کا کیا ہے، یہیں میں طبع

گھیث کر کھینچی وہ بڑی بی بھی بھولی خالہ کی اصطلاح  
سو فیصد پورا اتری تھیں۔ رنگ اڑا نسواری بر قعہ،  
پھرڑی بال بد حواس سے تاثر لیت سے سجا چہرہ، غیر  
متوازن چال۔

"بھولی خالیست" وہ محبت اور بلاں کا غیر ضروری  
منظارہ کرتے ہوئے ایک با آواز بلند لعرے کے ساتھ  
آن سے لپٹ گیا۔

"اوی اللہست" کہہ کے وہ ہری لال اور پیلی لڑکی  
بدک کے پچھے ہٹی، دوپٹے کا پلواس کے دانتوں تلے  
کہہ کے دھری ہو چکتے رکی۔ تیمور بھی متوجہ ہوا۔ ٹیڈی

پتلون میں پھنسا ہوا وہ پیچیں چھیں سال کا نوجوان  
بڑے کالروں والی جامنی شرٹ کے اوپر کے ٹین  
کھولے بے شک کسی پھوپھی سے مخاطب تھا مگر لفٹی  
دستہ اس کے سرپہ دے مارا اور اسے حقیقتاً "دان میں" نظریں اس ٹریفک کے اشاروں سے متاثرہ لڑکی پر

"چکے، لفٹے جتھے میں بھولی نظر آتی ہوں۔ میری  
شکل پہ نہ جائیو، دن میں تارے و لکھا سکتی ہوں۔" اس  
کے ساتھ ہی ان خاتون نے اپنی کالی بد شکل بی بھتری کا  
دستہ اس کے سرپہ دے مارا اور اسے حقیقتاً "دان میں"

وہ کس تھیں جو بل کھا کھا کر نہیں تھک رہی تھی۔  
”اگر یا تو شخوبیہ نہیں ہے تیرے پہنچنے کا۔“  
”اوہ ہو پھوپھی! شخبو نہیں، شاہ رخ کو شاہ  
رخ۔“ اس نے سرخ مفلک کردن میں گھماتے ہوئے  
بڑے اشائل سے کہا۔

”وے تو کس سرخ سے شاہ رخ لگتا ہے۔ تیرے  
سے سونہ تو ہمارے پندت کے مصلیوں کے منڈے  
ہوتے ہیں۔“ اسے مکمل طور پر منتظر اندازہ کر کے وہ  
جنگجو خاتون اور ہری پیلی سرخ دو شیزہ یخونکے پیچے  
پیچے چل پڑیں تو اسے خود کو یقین دلانا پڑا کہ یہ اس کی  
مطلوبہ خالہ نہیں تھیں۔ گھوم کے پلیٹ فارم پر نظر  
دوڑائی تو چکرا کے رہ گیا۔ ٹرین سے اترنے والے مسافر  
بھیڑ کا حصہ بن چکے تھے جبکہ اس وقت ٹرین سے چڑھنے  
والے مسافروں کے درمیان کھینچا تانی اور دھکم پل  
ہو رہی تھی۔

”نکل گئیں ہاتھ سے چیزیں بے چاری بھولی  
خالہ اور ان کی جوان بھنان لڑکی۔“ وہ ناشف سے سر  
ہلا تا پلیٹ فارم سے نکلنے لگا۔ اپنے تیس وہ یہ متوجہ کر  
ان پر افسوس کر رہا تھا کہ وہ دنولان مکس وقت نجات نہ  
کہاں بھٹک رہی، پوچھ لی۔

”اللہ تعالیٰ مدد نہ کرنا ان کی۔ اور کچھ نہیں تو ان کے  
دل میں نہیں دماغ یعنی اپنی عقل، ہی ڈال دینا کہ وہ  
بجانے اتنے بڑے شر میں بچ لے، وہی کے واپسی کی  
لئے کٹا کے اپنے چک چلی جائیں جو وہ پکورے۔“

پکوڑوں کے اشائل پر رک کے وہ اپنا غم غلط کرنے  
لگا۔ اخبار کے لکڑے پر گرم مکس پکوڑے رکھنے وہ  
این دھن میں جاریا تھا جب اپنا نام سن کے چونکا۔  
”تیمور! تم تیمور ہوناں ہیے؟“ اس شائستہ آواز  
وہ پلٹا۔ بک اشائل کے نزدیک بادا می رنگ کی بڑی سی  
چادر میں خود کو پیٹی، چھوٹے چھوٹے کاسنی پھولوں  
والے سفید لباس میں مابوں وہ خاتون صورت سے ہی  
ہلا تا وہ ان کی جانب برسھا۔

”میں شمع ہوں، تمہاری والدہ نزیدہ کی رکشے  
کام خرانٹ سی عورتوں کا ہے اور ہمارے گاؤں میں جو

”دار!“ اور ”تمہاری خالہ،“ تمہارے گاؤں سے آرہی  
ہوں۔“

”بھولی خالہ!“ اس پار نعروں کا کے ان سے لپٹتے  
ہوئے اس نے یہ اطمینان کر لیا تھا کہ ان کے ہاتھ میں  
چھتری یا کوئی اور ایسا سامان تو نہیں تھے بوقت ضرورت  
ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا سکے مگر وہ اپنے ہاتھ میں  
موجود پکوڑوں کو بھول گیا جن کا تیل خالہ کی بادا می چادر  
کو داغدار کر گیا۔

”ویکھا ناز! تم ایسے ہی گھر رہی تھیں، میں نے کما  
تھا نازدہ ہمیں لینے کے لیے کسی کو نہ بھیجے۔ ایسا ہو ہی  
نہیں سکتا۔“

اُب تک تیمور نے جوان جہان لڑکی کی موجودگی  
نوٹ کی۔ اپنی ماں جیسی ہی چادر میں سلیقے سے اپنا آپ  
چھائے وہ پا تک سیچن شال کی سنجیدہ صورت لڑکی  
اے پسلی نظر میں اپنی امشکل کیس لگی۔ اپنے پیشے کے  
لحاظ سے وہ ہر لڑکی اور ہر لڑکے کو کیس کرنے پر مجبور تھا۔  
وہ لڑکیاں جو خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ ذہن،  
سکھر، تعلیم یافتہ اور خوش اخلاق بھی ہوتی تھیں اور  
جن اکالی چھاتا تھا تک کہ رہا تو اسکا اور بھاری ہی جیزمانے کی امید  
ہوئی، اسیں وہ اسان ترین کیس کہا کر دیا۔ ایسی لڑکیوں  
کے لیے انشتہ پٹا پٹ بر سا کرتے اور اس جیسی لڑکی جو  
شکل سے ہی سرکاری اسکول کی استانی لگتی ہو، ایک  
سادہ لوح یہوہ عورت کا کل اٹا شہ ہو اور کسی پسمندہ  
گاؤں سے تعلق رکھتی ہو، بلاشبہ ایک مشکل کیس  
کھلائی جاسکتی ہے۔



”جیہے میں کیا سن رہی ہوں نزیدہ! تمہارا لڑکا وجولن  
بن گیا۔“ اگلے ہی روز بھولی خالہ خاصی سر اسیمہ  
ہو کے دریافت کر رہی تھی۔  
”وجولن نہیں خالہ!“ وجولن بلکہ میر ج ایجنت یا  
پیچ میکر کیسے۔“

”تم جو بھی انگریزی نام دو ہاں تو وہی ہے۔ اول تو یہ  
کام خرانٹ سی عورتوں کا ہے اور ہمارے گاؤں میں جو

مرد اس کام میں ہاتھ دالتے ہیں وہ عموماً کامیاب ہوتے ہیں۔ لڑکے اب تک نے تو پڑھ لکھ کے محفوظ ہے۔ اپنے خاندان میری کندڑ ہنی سمجھ کے مذاق بنائی رہیں۔ ”وہ افرید کا کام ڈو دیا۔“

”تیک کام کر رہا ہوں۔ لوگوں کی دعائیں لیتا ہوں،“

خاندان کام کیسے ڈو دیا۔ رہا پڑھے لکھے ہونے کا سوال

تو خالہ! آج کل تی اے تھرڈ ڈویشن کو کون پوچھتا ہے؟“

”تو تعلیم میں دیپیچہ لینا آب کا قصور تھا نہ کہ زبانے کا۔“ وہ کافی دیر سے چپ بیٹھی تھی، اب بول اٹھی۔

”دل لگا کے پڑھتے، اچھی سی ذگری لیتے، کیا تب بھی اچھی ملازمت نہ ملتی۔“

”یہ آپ کبھی وقت نکال کے ان سے پوچھیے گا جو خطاب ملا تھا اور یہ نام مجھے میری ساس اللہ بخش نے دل لگا کر دھنے کے بعد مولیٰ مولیٰ ذگریاں لیے پھر رہے ہیں۔“

”تیمور کو اس کی دخل اندازی برباد کی۔“

”چلیں چھوڑیں، یہ ساری بہانتیں خالہ! آپ نہے“

”بس یہ بتائیں کہ آپ کام کیوں کیسے رہا؟“

”اللہ بخش نے میری دادی میری سنا دیتی تھیں اور نہ رکھا تھا۔ اپنے وقت کے لحاظ سے بڑی نیاتیا سانام ہا۔“

”تب کہاں ہوئتے تھے عورتوں کے ایسے نام۔ خود میں جب بیاہ کر سرزالِ اُنہم میری ساس نندوں کے نام رکھتے بالکل آخری وقت میں مناسبِ زیبیم کر رہے ہیں“

”عورت کا رکھ دیا ہو۔ ساس کا سرد ازانی نندوں کے مختاراں، شوکت بیالی اور سلطانہ تھے۔ اسی سیلے بوجی میرا نرم و نازک، اجل اس نام ان کو ہضم نہ ہوا۔“

”وہ بھی آپ کو بھول کر کے بلا تی ہوں گی؟“

”توبہ کرو، ان کے نزدیک میرا بھول پن اور میری معصومیت میرا عیب تھا۔ پندرہ سولہ کا سن تھا میرا، جب بیاہ کے آئی نہ دنیا کا پستہ تھا نہ لوگوں کو برتنا آتا تھا۔“

”وہ مجھے چھٹھے لگاتی، میرا مذاق اڑاتیں، اور میں بے وقوف کی طرح مسکرائے جاتی۔ ایمانہ تھا کہ مجھے ان کے طنز بالکل ہی سمجھ میں نہ آتے تھے یا مجھے بے مہمانوں کے جانے کے بعد ساس نے وہ لئے لیے

”تمہارا برد احسان ہو گا یئی۔“

انتہے میں کال پیل کی آواز پر تیمور کی امی نے زمانے  
بھرگی بے زاری چہرے پر سجال۔  
”لوگوں کیا سیکھنے شد و شد۔“

”سلام!“ آنے والے کی آواز پر لئے اُنکے  
اور وہ بعد میں نمودار ہوا۔

”آؤ یار! میری خالہ آئی ہوتی ہیں۔“ حلاںکہ وہ  
تیمور کی اس باقاعدہ دعوت سے پہلے ہی آچکا تھا اور اس  
تک تو بھولی خالہ آنکھ کے اشارے سے اپنی دختر نیک  
اختر کو اندر بھی بھج چکی تھیں۔

”اور خالہ! یہ میرا جگری یار فرہاد ہے۔ اسے آپ  
شیرس والا فرہاد بھی سمجھ سکتی ہیں کیونکہ شیرس سے  
انہیں خاص نسبت ہے۔ ان کی مٹھائی کی دکان کا نام  
شیرس کدھ سمجھتا ہے۔“

”نشن میش“ لڑکے کا حائزہ لے کے پوچھا۔  
”بھی نہیں“ بیکر زانڈ لٹھنگ کیشنر ز ہیں۔“

”یہ کیا بلاء ہے؟“

”یہ وہی بلاء ہے جو دھولا پر نازل ہوتی ہے تو وہ ذرا ای  
ظہیرین جلالیت میں خانہ میں اسے مگروہ جنتے بھی رشتے  
بن جاتا ہے، نائلی پر ہو تو سیر اشائیں لست درزی پر ہو تو  
فیشن دیر اندر بھی جاتا ہے۔“  
پتہ نہیں وہ اسی میں یا نہیں، البتہ سر بری متانت  
اور برداری سے ہلا دیا۔

”بردا جھال رکا ہے۔ اکتوبر میں مغربے تھا شالا دی پیار  
کے بعد بھی بکرا نہیں۔ بہت سدھرا ہوا ہے۔“

”یوں کہو سدھایا ہوا۔“ امی بردا میں۔ ان سے  
تیمور کی یہ لعن تر ایسا برداشت نہ ہوتی تھیں اور سے  
فرہاد میں جو اس وقت یوں خاموش بیٹھا تھا جیسے بر  
دکھوے کو آیا ہو۔

”بلے تو تم کیا کہا رکھے تھے، ناز کے لیے لاہور میں  
رشتہ دیکھو گے؟“ بھولی خالہ نے تیمور کی بیان کی گئی  
معلومات کے باوجود فرہاد میں خاطر خواہ دیکھی نہیں۔  
”اگر واقعی تم نے ایسا کرو دیا تیمور! تو پسی بار میرے

کہ توبہ ہی بھلی۔“ ”ایسی ما تمی صورت بننا کے بیٹھی تھی میرے میکے“  
والوں کے سامنے ”اپنے میکے کے مہمان ہوتے تو  
”زندیاں“ دیکھنے والی ہوتی نگوڑی کی۔ اے ہے وہ  
لوگ بھی کیا تکتے ہوں گے کہ سردار اس نے شاید بسو کو  
مار بیٹ کے بھایا ہے جو بہن کیا بننا کے بیٹھی ہے۔“

”بڑی فتنی سرال تھی آپ کی خالہ! رشتہ کس  
نے کراہا تھا؟“ تیمور نے لڑاکا اندھا میں بازوؤں کے  
کف التے ہوئے پوچھا جسے رشتہ کراہنے والے کا بھرپو  
بنانے کا رادہ ہو۔

”اللہ بخشے، ہمارے پندھ کی بیوں تھی۔“  
”لو جی، اس کو بھی اللہ بخشے۔“ اس کا سارا جوش  
جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ ناز کی بنسی بچھوٹ گئی۔ تیمور  
نے چونک کے اسے دیکھا۔ یہاں آنے کے بعد وہ پہلی  
بار بنسی تھی اور بے شک اسے پہنچنے ہنسی نے اسے  
عام سی لڑکی کے خاکے سے خاصی حد تک باہر نکال دیا  
تھا۔

”ویسے اب اس کی بیٹی رشتہ کرتی ہے؟“ میمن نے  
باز کے لپے بھی بھر کھا سکے مگروہ جنتے بھی رشتے  
لائی، اس نظرے والی نے انکار کر دیا۔ ”بھولی خالہ  
بیٹی کو خفگی سے کھلے۔“

”اس کی ماں کے بیٹھنے پر آپ کی شادی کی صورت  
جور دھیہ لگاتھا وہ سارا ریکارڈ خرابی کر گیا۔ اچھا کیا جو ناز  
نے انکار کر دیا۔“

”تم چھڑے کی جوتی کی طرح پھٹیتے رہتے جاؤ۔“ امی  
نے اسے گھر کا۔ ”دلدی کی ذات کو شہر دے کر رہے ہو۔  
بھولی بے چاری لکھی فکر مندر رہتی ہے اس کی وجہ  
سے۔“

”مگر خالہ! کسی ایرے غیرے نتوخیرے کے لیے  
باندھ کے وہ ہر فکر سے آزاد تو نہیں ہو جائیں گی۔“ ناز  
کے نکتہ پیش کیا۔ ”اس سے ان کی پریشانیوں میں اور  
اضافہ ہو گا۔“

”بھولی خالہ! آپ کی اجازت ہو تو تمہری خدمات  
حاضر ہیں۔ لاہور میں دھونڈتے ہیں کوئی رشتہ ہے۔“

بُلے ہے تمہارے اس شوق کے لیے کوئی بھلی دعا نکلے  
بلے ہے بھلی چاری کماب دھنگ کا رشتہ دھوند پائے  
بلے اسے زمانے کی عیاری کا گیا پتا۔ اسے تو کوئی کاٹھ کا  
آبھی بے وقوف بنالے گا۔ ”ای کے اس فتوے پر  
بھلی خالہ یوں آتساری سے سرجھکا کے مسکرانے  
تکیس یہے کہہ رہی ہوں۔ آپ کی ذرہ نوازی ہے  
درندہ بندی کس قابل۔“

”میں ابھی اپنار جزر کھولتا ہوں۔ دو چاراں اچھے لڑکے  
پھانٹ کے الگ کرتا ہوں۔“ اس نے اکھنے کا اڑائی  
کیا۔

بھول خالہ کے اس معصوم استفسار پر امی نے ماتھا پیٹھ  
لیا۔ ”ایس؟ کیا تم لڑکے رجسٹر میں لپیٹے پھرتے ہو؟“  
بھول خالہ کے اس معصوم استفسار پر امی نے ماتھا پیٹھ  
لیا۔

”بائے ہائے بھولی۔ رہیں ناں تم کبھولی کی  
بھولی۔“

”ویے خالہ“ آئی کامیرے دوست فرمادیکے باز کے  
میں لیا خیال ہے؟ آج کل اسکی کا کیسی بھی میرے پیارے  
آیا ہوا ہے؟“ اس پر کوائی پیچتے بھوئی خالہ  
کو اچھوٹ گیا۔

وچار محلوں میں میرا بڑا نام ہے ہر عورت کی سانس میں مجھے  
دو نہیں خالہ! لھر یلو گیس۔ اس تجھے بلکہ اردو گروکہ  
اُرکیس؟ تم کیس دلکھے ہو تو وہ یو لیس والے...؟

کے کروانا چاہتی ہے۔ ”  
 ”عورتوں والے کیس؟ مگر میں مکروہ تو دلیل کرنے تھے۔“

لے لاحول ولا قوہ میں ” وہ سست پیش کیا۔ بخوبی سا ہو کے  
کہ پھر اتو ناز باور جی خانے کے گھلے دروازے سے  
اسے چوکی تھی بیٹھی آٹا گوند ہتھی نظر آئی۔ گھنٹوں  
نہوڑی ڈال کے وہ جو نہسی روکنے کی کوشش کر رہی تھی<sup>ج</sup>  
اس سے ظاہر ہوا تھا کہ اپنی والدہ کی عالمانہ گفتگو سر  
چکا کر

"خیر، تم سے لیا بعید، وچولن بن سکتے ہو تو داتی چیز

میں کیا جاتا ہے؟“  
”کیسی بائیک کب رہی ہیں بھولی خالہ! لوگ اپنے بچوں کے شادی بیانہ کے کیس میں مجھ سے حل کرواتے ہیں۔ فرمادی کی ایسی نے بھی اپنے اکتوبر میں کام عالمہ مجھ پر پھنسوڑا ہے۔ آپ ہیسے ”زندگی کی زندگی ہے؟“

”دیکھنے میں تو چند سالگتائے ہے مگر مردوں کی شکل صورت نہیں، گردوار، خاندان اور کمائی دیکھی جاتی ہے اور اگر بیٹیاں میری ناز جیسی سرپرستی ہوں تو اور بھی بہت کچھ دیکھا جاتا ہے جیسے اس کی شرط ہے کہ لاکھ تعلیم میں اس سے زیادہ ہو۔“

”ہاں تو تھیک ہے، یہ کون سا بڑا مسئلہ ہے، فراہنے الیف اسے کیا ہوا ہے۔“ اس کا خیال تھا، پس ماندہ سے چک سے آئی اس قبول صورت غریب لڑکی نے مثل شہر توزیع کے زیراہ میں رکھ کر رکھا ہو گا۔

”میں نے لاالہ موسیٰ بن ہریری کا لمح سے پچھلے سال ہی  
لبی اے کیا ہے۔“ ناز آئے گام تسلیہ لے کر کچن سے  
لٹکی اور برآمدے میں رکھے فریج میں رکھتے ہوئے اس  
کی معلومات میں اضافیہ کیا۔

رکھ کے بیان قاعدہ لڑنے کے انداز میں پوچھنے لگا۔ ”وہاں کون بیٹھا ہے؟ ابے کرانے والا۔“ جیسے پتا چلتے ہی وہ اس کا قتل کرانے والا ہو۔ ”میری پھوپھی رہتی ہیں وہاں اور انہی نے مجھے بیکار کرایے۔“

”پھوپھی اپنے گھر رکھ کے لی اے کراںکتی تھیں تو  
اپنے ایم اے پاس لڑ کے سے شادی بھی کرو اویتیں۔“  
ح ایس نے طعنہ دیا۔

”ضرور کراشیں اگر ان کے کسی بیٹھنے ایم اے کیا ہوتا۔ ان لکھ سے بڑا بیٹھا اب فرست ایر میں پہنچا ہے۔“ ناز نے ترکی بیٹھ کی جواب دیا۔

”ہالر ڈبل ایم اے لارڈ کا وہ نینڈو ان کے لیے، چاہے سو کھی ڈبل روپی تک کھلانے کے قابل نہ ہو۔“

”بھولی خالہ! فرہاد کے اباکی بیٹری خوب پسی ہے  
حال، ہی میں گلبرگ میں دوسری براچ کھولی ہے۔ وہاں

فراہم بیٹھتا ہے اکتوبر ہے، ساری کمائی اسی کی ہے اور  
ذالی مکان بھی اسی کے نام ہو گا۔ یہیں قریب ہی ہے ہے  
بھی چلیں میرے ساتھ۔ ضرورت اور آسائش کی ہر  
چیز سے بھرا ہوا ہے۔

”ہماری نظر میں اتنی بھوکی اور ندیدی نہیں تیمور  
صاحب کے کلارے بھرے گھر کو دیکھ کر ابل پڑیں۔  
مال کو ایسے لائی دیتے کی ضرورت نہیں۔“ تاز کے  
نونکے اسے ایک بار پھر غصہ آیا۔ یہ لڑکی اچھا بھلا ہاتھ  
میں آٹا گلائی بھگادے گی۔

”تم پنج میں مت بولو۔ اے معاملات یعنی نانگ  
اڑانے والی لڑکیاں دیدہ ہوائی گھلاتی ہیں۔ ہاں بھوکی  
خالہ! آپ بتائیے، کس قسم کا لڑکا چاہتی ہیں آپ اپنی  
صاحبزادی کے لیے؟“ اس نے رجسٹر کھول کے ایک  
نئے نام کا اندر راج کیا۔

”مس ناز گل چوہدری۔“ ”العلوم میں اے۔“ بھی وہ  
”کوائف۔ عمر سیکھ بیان میں تعلیم میں اے۔“ با آواز بلند بولتا ہے لکھ پایا تھا کہ تیاز نے دوبارہ دخل  
ریا۔

”میں آن جگہ پر ماہیت ایک لے کی بتا رہی تھیں گے  
ہوں۔“

”ہاں۔ تھیر کون روک سکتا ہے۔“ وہ بڑا بڑا اور  
بی اے کاٹ کر ایک تھیر تعمیر لکھ دیا۔

”آپ کی تو اردو بھی بست تھا ہے یہ زیر تعمیر ایم  
اے کیا ہوتا ہے؟“

”تم میری اردو کومارو گولی، میری نیتیت ویکھو۔“ اس  
نے رجسٹر کھول کے اس کے سامنے کیا۔

”تمہیں خوش شکل، خوش اخلاق، دراز قد درانع  
گیسو اور سکھر لکھتے ہوئے میرا ہاتھ تک نہیں بلکہ کانا۔  
میرے ضمیر نے اس طومار باندھنے پہ مجھے بھگو بھگو کے  
چھتر نہیں مارے۔“

”ہونہ۔“ وہ تپ کے دور جانیٹھی۔

”اے بیٹا! میں کیا بتاؤ۔“ کوئی بھی بھلامائی انسان  
کا بچہ ہو جو عزت سے دوقت کی روئی گھلانے کے۔“

”اور صبح کا ناشستہ بھی میں نجا نے لوگ اسے کیوں  
بھائی اور بابا پٹھیک ٹھاک کرتے تھے۔ اس لیے جیز

اوڑا بھلا کھانی بھی کے کھنے سننے میں ہے۔ اس کی تو  
ہزار شرطیں ہیں۔“ وہ بے زاری نظر آئیں اور ناز خفا  
خفا۔

”مشلا ہے۔“

”مشلا یہ کہ۔“ تیاز نے خود تنا شروع کیا۔  
”مجھے بزنس میں پسند نہیں خصوصاً یہ چھوٹا موسٹ  
بزنس کرنے والے لوگ میں مشہدی کی دکان، دیکھو  
(شاپ) موبائل ریپرنسنگ کی دکان، جنل اسٹور، پرکرے  
برتن وغیرہ کی دکان میں اور نام رکھتے ہیں دکانداری کا  
”بزنس۔“ ہوئے بھلے لاکھوں روپے ماہانہ کیوں نہ کا  
لیتھے ہوں مجھے باعزالت ملازمت کرنے والا اعلاء تعلیم  
یافتہ شوہر چاہیے چاہیے اس کی ماہانہ تنخواہ چند ہزار ہی  
کیوں نہ ہو۔“

”ویکھ لیا یہ کے اس الٹی گھوپڑی کی شرط نمبر  
دو۔“ بھولی خالہ نے دہلی دیکھ دی۔

”ٹھیک کیا میں نے۔ وہ سو دخور ہی رہ گیا تھا میرے  
لیے۔“ تیاز نے تنک کر سر جھٹکا۔ تیمور کو اس کے بخوبی  
نہیں آگئی۔ خود وہ دو ایسی لڑکیوں کے رشتے ایسے  
لڑکوں کے ساتھ کراچکا تھا کہ بعد میں کتنے ہی دن اسے  
بھی دل ہی دل میں افسوس ہوتا رہا۔ آخری دن تک وہ  
انتظار کرتا رہا کہ لڑکی خود ہی انکار کروے مگر منکنی والے  
دن لڑکی کو راضی برضا اس لگور کے برابر بیٹھے دیکھ کے  
صبر کر لیا۔ پہلی لڑکی بے تحاشا حسین تھی، ہوم  
اکنامکس کا جس سے کرمجوبی شد گھرانہ بھی اچھا تھا، تینوں  
”اور صبح کا ناشستہ بھی میں نجا نے لوگ اسے کیوں  
بھائی اور بابا پٹھیک ٹھاک کرتے تھے۔ اس لیے جیز

بھی اچھا ملنے کی اسدی تھی۔ اس کے باوجود وہ آسانی سے لمک ریاض جسے چاکیں کے پیٹے میں، سمجھے اور اسی لئے شاری تھے اس تیار ہو گئی کہ اس سے دو منگنیاں نوٹے کا دھبہ لگ چکا تھا۔ پہلی بچپن کی منگنی تھی، وہ تو ابھی فرست اپر میں ہی تھی کہ منگنیر نے جرمنی میں انہیں پسند کے شادی کر لی۔ ڈھائی سال بعد دوسری منگنی ہوئی جو چند مہینے بعد اس لیے ثوٹ گئی کہ انہیں کسی خیرخواہ نے لڑکے کی نشہ کر لئے تھے، کی عادت کے بارے میں بتلایا تھا۔ دونوں بار قصور اس کا نام تھا لیکن الزام آئے۔ دوسری لڑکی کی ابھی تک ایک منگنی تھی منگنی نہ ہوئی تھی لیکن اس کا عیب یہ تھا کہ وہ چار بہنوں میں سب سے بڑی تھی۔ اور تلے کی ان چاروں بہنوں میں سب سے پھولی والی بھی اب میرک کے پیپرز دے رہی تھی اور ماں باپ کو لکھتا تھا کہ اس کے کافی پہنچ تک کم از کم ایک تو گھر سے رخصیت ہو جائے اور اپنے ایک ایک آٹھ بھروسے کو اپنے بھر کے دیکھیں۔

ایک نظر دیا سے رکھ پہ ستم کیوں توڑا جا رہا ہے؟“ اس نے کے صحبت مند تن و تو شہزادے وال کے پوچھا تھا۔ ”فاسماں کے لیے لڑکی دیکھنے جانا ہے۔“

”آپ کا ایک آدھ لڑکی کو دیکھنے سے جی نہیں شوق ہے تو تم کسی گرفتار کافی ہے۔“ شغل جاری ہے۔ اتنا ہی چھٹی کے بعد گیلان بھلٹے ہی لڑکیاں ہی لڑکیاں ہیں جی پہنچ تک کم از کم ایک تو گھر سے رخصیت ہو جائے اور بھر کے دیکھیں۔“

”یہ تمہارا کام ہے ہم تھیں ہی سا جھے۔“ تائی خاصی خوش مزاج اور اپنے پھولوں سے کافی بے تکلف بھی تھیں، اس لیے نہ کے چوت کر گئیں۔

”تو یہیں کیا ہے وہ ایسی کھلماڑی نے آس تو پری طرح ہانپ میں پھنکا رپا جاتی تھی۔“

”تو یہیں کس بنو کے ابا کی تو واقعی بیوی اونچی جو ملی تھی، سیڑھیاں چڑھ چڑھ کے تلوٹے اور اونچی بول گئے۔“

امی نے جوئی ایار کے پیپرز سہلائے۔

”وہ فتح چھوٹی میں ہے۔“ تائی نے منه بگاؤ کے ہاتھ جھٹکا۔

”چار مرے کی جگہ پہ نیچے چھو کائیں درزیوں اور بھی نہ تھا کہ کوئی پوچھتا۔“

”تو وہ جواب دیتا۔“ میں چلتا پھرتا میرج بیور و بنوں گا۔ ”مگر قسمت کی بات اسے یہ بننا پڑا۔“

لی اے کا نتیجہ نکلے زیادہ دن نہ گزرے تھے بلکہ لوں کہنا چاہئے کہ لی اے کا دوسری بار خراب نتیجہ نکلے زیادہ دن نہ گزرے تھے، اس بار اس نے گھر رُد پریشان پہ ہی صبر شکر کر لیا، ایک آدھ سمجھیکٹ میں جو سہلی

ایم اے الگش، زہن و فطیں، ساختہ شعار اور اچھی خاصی خوش شکل لڑکی جو ایک اعلاء سرکاری عہدے دار کی بھی تھی ایک اثرباں ٹھیکے دار سے شادی کرنے پختوں رضامند ہو گئی۔ حس کی شکل تسلی بخش مقدار میں پھنکا رپا جاتی تھی۔

”تیور بالکل حادثاتی طور پر ہے لہن پیٹے سے مسلک ہوا تھا۔ بے شک زندگی میں اسی سے بروجھ بھکے بڑے عزم کبھی بھی نہ رکھے تھے، نہ ڈاکٹر، ارجمند نہیں کا خواب جھٹکا۔“

”بڑے ہو کے کیا بنو گے؟“

”تو وہ جواب دیتا۔“ میں چلتا پھرتا میرج بیور و بنوں لی اے کا نتیجہ نکلے زیادہ دن نہ گزرے تھے بلکہ لوں

کہنا چاہئے کہ لی اے کا دوسری بار خراب نتیجہ نکلے زیادہ دن نہ گزرے تھے، اس بار اس نے گھر رُد پریشان پہ ہی صبر شکر کر لیا، ایک آدھ سمجھیکٹ میں جو سہلی

لڑکی بھی تائیں نہ میں فش۔ ”  
”بلوں تو اُنکی ذہونیت کوئی سموں بات ہے۔ آپھی لڑکی آسمان سے نہیں ملتی۔ ”  
”یہ آپ کا گملہ سے۔ ادھر تو ہر بفتہ ملتی ہے۔ ”  
اس نے مل سے چھا کے ہالہ کھڑے کرتے ہوئے  
آواز دما کے کہا۔ تائیں کی نہیں چھوٹ گئی۔

اداڑ باتے نہ ہے پائی ہی۔ اس پر راست میں  
”میں گھر بانے والی لاڑکیوں کی بات کر رہی ہوں،  
دل گرانے والیوں کی نہیں۔ بھائی بھانے کے لائق  
ہو کوئی تو بتاؤ۔“ انہوں نے یونہی کٹانگر قہہ بنجیدگی سے  
اپنے حلقہ ادب پر غور کرنے لگا اور متفق ہو کے سر  
ہلانے لگا، واقعی وہ درست کہ رہی تھیں یہ پہمک پھٹلوہ  
تائپ لاڑکیاں بھائی کے رہتے تک پہنچنے کے لائق نہ  
تھیں، ہر چند کہ بھی نہ کبھی، کسی نہ کسی کی بھائی تو  
انہیں بننا ہی تھا مگر اس کی نہیں، جس کے ساتھ نہ کسی  
پھملکی اظہرازی اور رقعہ پازی لے رہا تھا، تو۔

"کیوں ..... کے نالا یہ مسئلہ کبھیر۔ تم یونہی مجھے  
ماں ساتے رہتے ہو کہ میں چاہئے ناشتے کے لیے ہر  
جگہ لڑکی ڈھونڈنے کے بھانے جا گھستی ہوں گے۔ برخور  
دار! بیٹا یا ہنا اسے آہل کام نہیں رہا۔"

”بیاہ کر دی اب اسان نہیں زہاں چاہے لڑکا ہو  
چاہے لڑی ہوںوں کا ہی رشتہ مشکل سے ملتا ہے۔  
میرے دوست فرہاد کی انی بھی پرسوں یہی ذکر۔“  
اچانک وہ رکا۔

”ارے تائی امی سی! جھیاں اور ول کے کھسے پہ نہیں  
لڑکیاں دیکھیں، ایک میرے کھنے پیش دیکھ لیں، فرہاد کی  
بڑی بس ہے فرہاد سے تو ملی ہوں گی آپ۔ لیکن وہی بس  
بھائی ہے۔“

بھائی ہے۔  
اسی وقت اسے فون کیا گیا، ایک گھنٹے بعد وہ تائی اور  
امی کو لے کے وہاں گیا۔ گھر کا سلیقہ، سجاوٹ، صفائی اور  
سمان نوازی دیکھ کے تائی کا دل خوش ہو گیا، یقیناً ”یہ  
روز کا معمول تھا ورنہ ایک گھنٹے کے نوش پہ کون کایا  
پیٹ کرتا ہے۔ اُر کی بھی اچھی تھی، قاسم کے جوڑ کی۔  
ایف اے کر رکھا تھا۔ سلامی کڑھائی نہیں ناہر، کانے،  
ریندھنے بن استار، شکل و صورت کی اچھی۔ خاندان

بھی شریف اور مختصر تھا، دینے والے ملک باتوں کو  
رکھنے کا اشارہ بھی باتوں باتوں میں وسے دیا گیا۔ اور  
فرزاد کی امی نے شکر ادا کیا۔ فرزاد بھی ایکس سارے کام  
کرنے ہوئے باتوں نے چہرے پر لکھا پکنا پیدا کر دیا تو  
جب بتایا جا ملکہ بیوی توڑکی کا چھوٹا بھائی ہے تسلیم  
کی عمر کے بارے میں مشکل کو ہو جاتے لیکن تمور کی  
تائی رسول سے فرزاد کو دیکھتی آ رہی تھیں، تب  
جیسوہ نیک پہنچ کرتا تھا۔

رشتے ہونے کا سارا کریڈٹ تمور کو دیا گیا۔ تسلی  
نے توڑکی والوں کو کھلوا بھیجا کہ پہناؤں کے جو نوں  
میں تمور کا بھی سوت رکھا جائے قاسم بھائی نے  
شکر اسے کے نفل پڑھنے کے بعد تمور کو اس کی پہنچ میں  
شانگنگ کر کے ایک ہزار روپے دیے۔

اس سوت اور ہزار روپے تی کش تھی کہ جب  
اس نے آئکٹھا اور دوست حمزہ کی امی نے اس سے کہا  
”نبیلہ بھی مہماں نہیں ہے، شروت کی طرح اس  
گھر سانے کے لیے بھی کوئی ہاتھ پیر مارو۔“

تو وہ معدودت کرنے کے بجائے سوچ میں پا گیا کہ  
لوگوں کی حادثات کا کام دینے اپنی امیں سنبھل کر کوئی شادی اور تو نہیں  
کھوں رہا۔ لیکن بار بار نظرول کے سامنے ہزار کا نوٹ  
آجاتا۔ کبے روز گاری کے اکتوبر میں یہ نوٹ اس  
کے لیے بنتی ملتی ہو رکھتا تھا۔ ادھر حمزہ کی امی جب سے  
فریاد کی۔ بس کوئی شادی سے آئی تھیں بلکہ یہ

کھڑا دی۔ لکھنؤ کی شادی شے ای میں ایک ہی رٹ لگ رہی تھی۔ پہلے تو الفاقیہ رشتہ طے ہو گیا، اس بار اس نے واقعی جان پچان کے لوگوں کو کھنگل ڈالا۔ حلقہ احباب خاصاً و سبع تھا، دو دوستوں کو نظر میں رکھ کے بات چیلائی اور ایک جگہ بات بن ہی گئی۔ اس بار بھی رزیبانی شکریہ کے ساتھ ساتھ تھائف بھی ملے۔ باقاعدہ معاوضہ میں نے تب طلب کیا جب اس شادی کے لا تین دن بعد آئی محلے کے ایک پروفیسر صاحب شرمنتے کھبراتے اس سے ملتے آئے موصوف کی سترہ سلسلے ایک شادی تب ہوئی تھی جب وہ انثر کے طالب علم تھے، خاندان کی شادی تھی، بیوی گاؤں میں رہی یہ شہر میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ چار پانچ سال بعد،

بیکن کا دار کرتے ہوئے پرچھا۔ اس سے پتہ چلا کہ  
”لشائی کرنا خدا نے اپنا سوال دستار  
کیا ہے مکمل ہے؟“

”کون کہا تھا؟“

”میں ہی۔“ سرخ ٹھہر تھا ملے بڑے بڑے  
بھول پن دی ہیں۔ ملے کر سکتی تھیں۔  
”کیا کرتا ہے لڑکہ خاندان کیسا ہے؟“ پوچھا  
نہیں مانگ رہے؟“ یا تو تفصیلات انہوں نے ظاہر  
کیں۔

”نہیں، بلکہ زریب بھی نہیں مانگ رہے۔“  
”لڑکی تین چار سال پر تپڑوں میں بھی قبل ہے۔“  
”میں کیا بات ہوئی؟“ تازے نکٹ اور اپنے پیڑ کو  
”بھی۔ سرداں میں شادی ہوئی تو تک پیڑ میں  
کھلانے مکمل ہے ہونے والا ہے،“ کھشنہ جاؤ کی تمہارے  
لیے شال اور پتوں وغیرہ میں نے اضافی شامل کر  
 دیے۔“

”میرا مطلب ہے، انہیں خالی ہاتھ، تالیں، بجائی  
لڑکی کیوں چکھ سے موجود ہے؟“

”مگر ہو کر ہاں سے آئئے گی بات ہی اور ہوتی ہے،  
انہیں جیز کیوں پیش کھایا ہے؟“ عجیب لڑکی تھی  
کہ توں کا بترن معرفتی ہی ہے، اب تو ملکہ کی شہزادی  
بھی قوں فال کر رہی تھی۔

”وہ لاچی لوگ نہیں، کھاتا پیتا گھر انہیں ہم  
دوئی دی ہیں، فرج ہے، سارے کرے فرنچے  
بھر جے ہیں۔ تمہارے جیز میں آئے پیدا میں فیں کی  
انہیں ضرورت نہیں، اے سی لگا ہوا ہے۔“ دکروں  
میں، اور نہ ہی تمہارے واڑ کو لیا ملتا چاریوں کے  
محتاج ہیں وہ مسٹر نہیں، ان کی دیواریں ایک بھی بیکی ہیں  
کہ تمہارے ہاتھ کے بنے مکراموں اور فن پیاروں سے  
جسکے کوبے تاب ہوں۔“ وہ اس بڑی طرح برسا کہ تازی  
دوبارہ، ہمت نہ ہوئی کوئی سوال کرنے کی۔

بیکن بڑے بڑے ہاتھ میں بھی نہ رکھتا تھا۔  
ہم سے ہمت نے شہزادہ کا مستہ اتنا میں  
کے سی پکڑے۔ ہمت میں تھا، دراز کے سی پک  
دے، بڑی سے سے یہ خیانت ہوئے دبل  
۔ ہم سے ہمت تھا، تو تیل کافناہ  
ہم سے ہمت تھا۔ یہ اریا اپنے کے  
یہ ایک باب۔ ”لہو ٹھم۔“ بھائی، میں  
ایک باب دیتا ہوں، ان کی مریضی کیلئے ہمکی  
تمہے ہو رہے ای کی؟“ اشت کے سارے برادری  
رائے ایک باب کو دریافت کر جیسا کیا اے اردود  
یہ لے بند رہتے کا انہزار اور ایک اسکوں میں جاپ  
پتے پہنڈ سلے کر رہی تھیں۔ اس کے بعد تو جعل  
ہو۔“ جو ایک بھیک سی تھی کہ لوگ کیا کیس  
ہمہ کی نوکری نہیں تھی، یہی جگہ کم از کم غلط  
محبت میں تھیں بیہتہ، خالی دماغ شیطان کا گھر ہوتا  
ہے،“ معمونیتیں، سکی اور دوسرے تسلیم کے روز چار  
پانچ سور دینے الیں تھیں۔

لیکن ”قاہر تا“ وہ اسے سنجیدگی سے کوئی اور کام  
ذخونڈنے کی ہدایت نہ کرتی رہتیں جسے وہ ایک کان  
سے سُن کر دسرے سے اڑا کر کو اس کے خیال میں  
کہ توں کا بترن معرفتی ہی ہے، اب تو ملکہ کی شہزادی  
خاندان اور محلے سے نکل لئے تھے تک پھیل چکی  
تھیں۔ ایک کا کام منظم طریقے سے بڑھا رہا تھا۔ آمدی  
معقول بھی اور بھی مطمئن۔

کیمی کیمی کیمی

”بھولی خالہ! دعا میں دیکھے مجھے، کیا کمال کا رشتہ  
ذخونڈا ہے؟“

”جہاں معاوضے کے بدالے صرف اور صرف  
دعا میں ملنے کی امید ہو، وہاں تھیں آپ کمال کے رشتے  
بھیجا کرتے ہیں؟“ تازے سراسر اس کے خلوص نیت پر

”ہر دن کا ایں ڈی اے میں ملازم ہے، عمر ہو گی کوئی نہ ہے۔“  
میں آتیں برس سارے بہن بھائی بیانے کے پر  
ایک پیس بچا ہے، ذاتی مکان، ذاتی موڑ سائیکل، ذاتی  
میں باپ۔ باں آپ کل خود میرے ساتھ جا کے دیکھے  
آئیں۔“

”واہ۔ وہ بیٹا ذاتی مکان، ذاتی موڑ  
سائیکل۔“ اگلے دن وہاں بچے واپسی پر امی نے لہک  
لہک کے قصیدے پڑھے۔

”مگر یہ نہ بتایا تم نے کہ بال اور بیٹی ایکن کی ذاتی  
نہیں ہے غصب خدا کا، اگر عمر تیس اکتوبر میں برس ہے،  
تو کیا کوئی بیماری لگ گئی تھی جو اس عمر میں ہی دانت،  
میں سب جھڑکے، یا پھر تیس کو دوسرے ضرب دینا بھول  
کرے تم ہے؟“ انہوں نے خوب خوب تیمور کے لئے لیے  
وہ خود بھی شرمندہ شرمندہ تھا۔

”ہو جاتا ہے۔ بھی بھی اس میں میرا قصور نہیں  
لوگ غلط بیانی کرتے ہیں اور ایسا کرتے ہوئے بھول  
جاتے ہیں کہ آنے والے آنے آنکھیں اور عقل ساتھ  
لے کے آئیں گے، کھربھول کے نہیں۔“ آئیں گے کہ کہ  
انہیں الوبنایا جا چکے۔ سر حال، تجھے سچ مگر اس حکماں سے  
آنندہ احتیاط کرو۔“

”کیا کرو گے؟“ مٹھی میں بال نوج نوج کے دیکھو  
گے کہ اصلی ہیں یادوں کا گھر کھی ہے۔ قربانی کے  
بکرے کی طرح تھو تھنی باتھ میں پیکر کے دانت گنو  
گے؟“ وہ واقعی چڑی بیٹھی تھیں۔  
”اب بس بھی تھے، اس میں میرا قصور نہیں اتنے  
سال یہی کام کر رہا ہوں۔ اس لڑکی کی قسمت بھی کچھ  
ایسی تھی اور تو اور میرے شاندار کیری پر بھی بد نہاد ہتھیا  
لگایا۔“

ہمت اس نے نہ ہاری تھی۔ دو دن بعد، ہی ایک اور  
نیلی ناز کو دیکھنے آگئی، امی پاپچ منٹ بعد، ہی کانوں کو ہاتھ  
لگائی صحن میں نکل آئیں۔

”میرا صوفہ فریادیں کر رہا ہے، تمہیں بھی باہر تک  
اس کی چیزوں کی آواز تو آرہی ہو گی۔“ ایشی پھول بانو تو  
میں بھی نہیں، اچھی خاصی صحت ہے لیکن یہ خواہیں

”تبہ تو سے محظا پہلوان کے خاندان کی لگ رہی  
بیٹی۔ بچھے تو دیکھ دیکھ کے ہوں اٹھ رہے تھے ان کے  
وجود ان آنکھوں میں بمشکل سارے تھے، مجھے تو ذر تھا  
کیسیں میرے دیدے ہیں نہ پھٹ جائیں۔“

وہ برآمدے کا پنکھا فل اس پنڈت کر کے دیں بیٹھ  
گئیں اور تیمور کو سوچ سوچ کے گھبراہٹ ہونے تھی  
کہ اندر مہمانوں کے سامنے بھولی خالہ کا بھول پن کیا  
کیا گل کھلارہا ہو گا۔

”امی! ماں کا کہ آپ بیٹے کی ماں ہیں اکلوتے بیٹے  
کی۔ لیکن اس وقت آپ لڑکی والی ہیں، اس طرح کا  
لائب و لوجه اپنا نا آپ کو زیب نہیں دیتا، وہ مولی ہوں یا  
دیں۔ آپ کو کیا لینا دینا۔ آپ ایک اچھی میزبان کی  
طرح اندر جلا کے خوش اخلاقی بگھانے سے چاہے جی  
چلے یا نہ چاہے۔“ بیٹھنے بمشکل انہیں اندر  
دھکیلا۔

مہمانوں کے جانے کے بعد بھی ان کے تاثرات  
کچھ مختلف نہ تھے۔

”ضرور لڑکا بھی عدنان سمیع کے پھارز کا ہو گا۔“ یہ  
ان کے اندر چھٹے لشکر جو کچھ لے گئے غلط بھی نہ ثابت  
ہوئے لڑکا صحت کے معاملے میں لپٹی ماں اور بہنوں  
کی نکر کا رہا، البتہ رنگت نجا نے بیکس کی لی تھی۔  
عورتیں سب ہی دیکھ رکھی چھی اور وہ بے چارہ توے کو  
شرماتے حسن کا مالک کا سونے پر سما کہ ان نو دلتیوں  
کے اپنے دراٹنگ روم کو کلب کی طرح عجیب نیلی سبز  
روشنیوں سے بھر رکھا تھا۔ ڈارک گرے صوفے پر  
بیٹھا لڑکا اسی صوفے کا ایک حصہ لگ رہا تھا، اور پرے  
بھولی خالہ بار بار ایک ہی سوال دہرائے جاتیں۔

”فلڈ کا کہاں ہے؟“

”جی!“ ایشی ہے۔“ ایک خاتون بڑے شرمندہ سے  
انداز میں صوفے کی جانب اشارہ کرتیں جہاں انہیں  
چھایا ہوا تھا۔ کچھ دیر تک وہاں گھورتے رہنے کے بعد  
وہ پھر کہتیں۔

”جی! لڑکے کو تو بلوائیں۔“

”لی لی ہمارا لڑکا تو یہی ہے، آپ کو کون سا

ساری عمر اپنے ماں باپ کی چاکری کے لیے بھی کو اکلا جلوہ نہیں۔ ”بڑا خدا کے کی سعیم شہم میں ہائیکے نہ پسبر ابرز ہو یا۔“ اس سے ذرا لامث شید کا چاہیے۔ ”تیمور نے یوں جواب دیا ہے کسی دکاندار سے اپنے مطلوبہ رنگ کا روپہ نکلوارا ہو۔“

”آپ نے تو کہا تھا، آپ کا بینا گندمی رنگ کا شاید اس فن سے نا آشنا ہے۔“

”ہم تو غلط کیا کہا تھا؟“

”یہ یہ گندمی رنگت ہے؟“ امی لئے باقاعدہ دل کے اس سیاہ تورے کو دیکھا جواحتجا جا“ واک آؤ۔“

”آپ نے کبھی گندم دیکھی ہے؟ نہیں تو کبھی

ہمارے ٹاؤں آئیے دکھائیں کے۔“ بھولی خالہ نے اٹھتے اٹھتے انہیں بڑے خلوص دیتے دی۔“

واپس آگرامی نے اپنے خوب لئے لیے

”یہ رشتے کر دیتے ہو تم اور ہم عوام کرتے ہو کہ نیکیاں سمیٹ رہا ہوں“ لوگوں کے گھر سماں کے دعائیں لیتا ہوں۔“ اس طرح کے گھر کتنی دیر بنتے ہوں کہ جھوٹ پچ تو کھل ہی جھوٹ پہ جھوٹ پہ بھی کیا صرف جھوٹ لے لوگ بھی نکراتے ہیں؟“

”یہ مخفیاتفاق ہے۔“

”نہیں یہ دھوکا دیے اور ہم نہیں یقیناً“ اس میں شامل ہوتے ہو گے۔ ان ٹکے جھوٹ کی پردا پوشی کر جھوٹ جان کر بھی کیسے کوئی سے۔“ بھولی خالہ حیران کے اور ان کے دھوکے کو برمھاواو منے کیسے ہے چارے اڑک والوں کو گھیرتے ہو گے۔“

”الزام سے سراسر الزام۔“ وہ بیل کھا کے رہ گیا۔“

”پہلی بات تو یہ کہ کسی قسم کا کوئی فراؤ یا دھوکا دی نہیں ہوئی۔ اس طرح کے ہلکے ہلکے جھوٹ دونوں طرف سے بولے جاتے ہیں۔ دھوکا دی کیا ہوتی ہے؟“ آپ کیا جائیں۔ پہلے ہمیں شادی شدہ مرد کس کامیابی سے کنوارا ہونے کا برسو پہنچر کے دوسرا بیاہ رچاتے ہیں میسے بیرون ملک ملازمت کرنے والے کس طرح جلد باہر لے جانے کا جھانسہ دے کر جو ہیں؟“ بھی آپ جس لڑکے کے موٹاپے اور رنگ پہ بے

اس نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے انہیں خوف زدہ کرنے کی بھی خاطر خواہ کوشش کی جس کے نتیجے میں بھولی خالہ کی رنگت زدہ ہو گئی۔

”میں نے کیا ہی کیا ہے۔ اب اگر ایک ماں کو اپنے

صورتیں کی ممتا کا ہے نہ کہ میرا۔“ کون ماں اپنے من

سے بیٹے کو کالا دھنگیکہ بتائے گی۔ وہ کا تو تب ہو تاجر

وہ اپنے کامل علم سے لے کر بجائے کسی گورے سے لڑکے کو دکھائیں اور نکاح اس سے کرواتیں۔ ہر کوئی کسی آس

کے سارے تھوڑی بست ٹھنڈی بیانی کر دیتا ہے کہ اسی

بمانے رشتہ آئے تو سی شاید قسم تر کھل جائے۔“ اس سے لہر آتی سامنے بیٹھ کر جھوٹ پچ تو کھل ہی جھوٹ پہ جھوٹ پہ بھی صرف جھوٹ لے لوگ بھی نکراتے ہیں؟“

غلط بیانیاں زیادہ ہوتی ہیں۔ خصوصاً ”عمر کے معاملے میں۔“

”تو پھر یہ رشتے لڑکے ہوتے ہیں۔ اگلے کا

شامل ہوتے ہو گے۔ ان ٹکے جھوٹ کی پردا پوشی کر جھوٹ جان کر بھی کیسے کوئی سے۔“ بھولی خالہ حیران کے اور ان کے دھوکے کو برمھاواو منے کیسے ہے چارے اڑک والوں کو گھیرتے ہو گے۔“

”تم تو ہر دوسرے دن مٹھائی کا ڈبہ لیے آتے ہو۔“

”جب آمنے سامنے بیٹھ کے جھوٹ پچ کھل ہی جاتے ہیں تو بھلے رشتہ کیسے طے ہو جاتا ہے؟“ امی نے بھی نکتہ اٹھایا۔“

”گندمی رنگ، اگر نسواری نکل آئے یا گھنی زلفیں وگ کا کرشمہ ثابت ہوں تو عقل مند مائیں

اسے مسئلہ عظیم نہیں بناتیں۔ آپ کیا جائیں، کیسی کیسی لڑکیاں کیسے کیسے اول جلوں کے لیے بندھتی

لڑکے کس طرح جلد باہر لے جانے کا جھانسہ دے کر جو ہیں؟“ بھی آپ جس لڑکے کے موٹاپے اور رنگ پہ بے

کان بستید کر رہی ہیں، کل دیکھیجے گا میدے سے سفیدیں۔ لکھے ہوئے کام کے۔“  
چول سے ہلکی دین لے آئے گا۔ ہر کوئی ایسے  
خڑکے نہیں دکھاتا۔“ اس نے کن الکھیوں سے  
خاموش بیٹھی تاز کو دیکھا اور زرا آواز دیا کے مزید کھا۔  
”اور دل میں کیڑے نکالنے سے پسلے ایک نظر خود  
بھی دال لینا چاہئے۔“

”ہمیا مطلب ہے آپ کا؟“ بغیر کسی لحاظ کے اس

پرس پڑی۔ ”آپ کا خیال ہے، میں نظرے کر رہی ہوں،“ کیڑے  
نکال رہی ہوں رشتہ میں سسے اور ہال پر کیا کھا۔  
آپ نے کہ ایک نظر میں خود پہ بھی۔ مطلب کیا ہے  
آپ کا؟“

”مطلب یہی ہی کہ صاف بات ہے۔ تم کوئی آسمان  
کی حور تو ہو نہیں، نہ چندے آفتاب نہ چندے  
ماہتاب، زراسما موٹا ذرا سما کالا لار کا بھی چیل سلسا ہے۔  
ہیر و ہاپ لڑکا کیا اپنے لئے کھی پڑتی زندگی خواہش  
نہیں کرے گا؟“

”کرتا پھرے، جہاں تک میری بات سے تو بے شکر آئے گی۔“

## UrduPhenix

”یار فریاد! کیوں میری روزی روئی کے دشمن بنے  
ہو، کل پھر آئی ہے مجھے بلا یا تھا۔“  
”وہ کیوں؟“

اگر امی اس کا لے موئے یا، اس دن والے مجھے کو  
میرے لیے پسند کر لیتیں تو مجھے قطعاً کوئی اندر اصل نہ  
ہوتا، بشرطیکہ یہ موٹاشادی بیاہ پہ موسوی بنائیں والا اور وہ  
گنجادرزی نہ ہوتا۔“

”کیا درزیوں کو شادی کرنے کا حق نہیں؟“  
”ضرور کریں جو تیار ہو اس سے کریں۔ بہت  
سی لڑکیاں سلامی کا خرچا بچانے اور مفت میں پڑے  
سلوانے کے لائق میں یہ شارکی کر سکتی ہیں مگر مجھے منظور  
نہیں۔ میں پسلے بھی صاف الفاظ میں کہہ چکی ہوں،  
بھلے اس کی آمدی ایسے اوٹ پلانکت کام کرنے والوں  
کے مقابلے میں نصف ہو مگر وہ کسی باعزت روزگار سے  
غسلک ہو، کسی کو بتاتے ہوئے پتا چلے کہ کسی پڑھتے

”یار! تمہیں کتنی بارہ تا جکا ہوں کہ میری بچپن سے  
یہ خواہش ہے کہ میں لو میرج کرو۔“

”لو میرج اور وہ بھی بچپن کی خواہش رکھتے ہے تھمارے بچپن پر، جو ایسے آیے ارمان تھمارے تھے میں جھگٹا رہا۔“

”اب میں کیا کر سکتا ہوں میں دل تو ہے دل دل کا اختیار کیا تجھے۔ آگیا جو کسی پر پیاس میں گنگنا نہ رکا۔“

”ویکھو پیارے، لو میرج کرنے کی تمنا تھماری مراسر جائز ہے، میں اس پر اعتراض نہیں کرتا مگر تم خود غور کرو کہ آخریہ لو میرج ہے کیا؟“ لو میرج یعنی پیار بھی اور شادی بھی۔ شادی تم میرے لئے کتنے پر اپنی امی کی پسند سے کرو، محبت بعد میں کرتے رہنے کے اپنی مرضی سے۔“

”یہ توبہ دیانتی ہے۔ بے وفائی ہے۔ دھوکا بازی ہے۔ شادی کسی اور سے محبت کسی اور سے۔“ وہ بدک اٹھا۔

”ابے او گھا مرد امیں سے کسی اور سے محبت کرنے کا شورہ کب دیا۔ تم شادی تو کرو، نکاح کا جھوپاہار امنہ میں جاتے ہی محبت بنے ہو گئی تو کہنا۔ دیے بھی تھمارے جیسے لو میرج ہے سہلے تو کچھ کی صرف خدا کے سکتے ہیں، کرنا ہڈا مالو بچپن کی اس دیرینہ خواہش پر پہنچا۔“

تک عمل در آمد ہے پوچھا ہوتا۔“

”اب وہ ملی، ہی دیر سے ہے تو میں کیا کروں۔“

”کیا میں کیا مطلب؟ کون میں کسی کسی کسی؟“

”وہ سیاہ مارو گے تو نہیں بچ جو وہ بھکر رہا۔“

”کیا بہت بڑی جگہ دل لگا ہے ہوں۔“ کہیں کسی بائی وغیرہ کا تو چکر۔“ وہ رازداری سے پوچھنے لگا۔

”لاحول ولا قوۃ۔“ وہ ایک شریف بادیا لڑکی ہے۔

اس بے چاری کو تو پتا بھی نہیں۔“

”اسی لیے تھمارا سرسلامت نظر آ رہا ہے۔ خیر، لڑکی ٹھیک ٹھاک ہے تو بھلا میں کیوں تمہیں مارنے لگا۔“

”در اصل وہ تھمارے گھر کیسے ایک بھوٹلی وہ بھکر۔“

”کون نہیں ناز؟“ تیمور بھی ایک گھاگ تھا۔

”ہاں۔“

”تو سلے کیوں نہ پھوٹے۔“

”وہ تھماری کزن ہے آخر۔“ وہ واقعی شروارہ تھا۔

”کیا امی ماں خامیں گی؟“

”سو فیصد۔“ اور اس کی وجہ ان کا تھمارے لے

ڈلار نہیں بلکہ میرے لیے عقیدت کی حد تک بڑی

پسندیدگی ہے۔ خصوصاً تھماری باجی کی شادی اتنی

اچھی جگہ ہو جانے کے بعد سے تو وہ میری قابلیت کی

دل سے قائل ہیں۔ میری تجویز کردہ لڑکی بھلے سے یہ

کی ہوا اور جیز ملنے کی راتی برابر امید بھی نہ ہو سب بھی

ہنسی خوشی اسے بھو بنا لیں گی۔ اصل مسئلہ تو خود نہ از

سے۔“ اس کا منا زدرا مشکل ہے۔“

”وہ تم کچھ بھرپڑ کی وفا ہو؟“

”کنوار پن کی لسمی۔“ اسکے مرض کو میں جڑ سے اکھاڑ

پھینکنا چاہتا ہوں۔ اس معاشرے سے کنواروں کا اعلیٰ

کرنا چاہتا ہوں۔ یہی میرا نصیحتِ العین ہے۔ ناز کو

مند خوس سکل، بر سر روز گار کنوارے نوجوان کو دیکھ کر

فطری طور پر ان کے اندر امنڈنا چاہے تھے۔ اس کی

ایک وجہ تو یقیناً ”ان کی بہن یعنی تیمور کی امی کے والی

جنذبات تھے جو وہ نامعلوم وجہ کی بنیا پر فرہاد کے بارے

میں عرصے سے رکھتی آرہی تھیں۔ دراصل بھولا

خالہ کی اپنی توکونی رائے تھی، ہی نہیں۔

”فرہاد میں کیا بہتر نہ کئے؟ اچھے سے اچھے گھرانے کی

لڑکی کا رشتہ اسے مل سکتا ہے۔ میرے رجڑیں اس

وقت تین ایسے کیس ہیں جہاں میں آج فرہاد کا ذکر

کروں تو کل تک تینوں شادی کی تاریخ مقرر کرنے کو

بے قرار نظر آئیں گے، فرہاد کے لیے انتباہ کرنا

مشکل ہو جائے گا، ایک ایڈوکیٹ کی بیوی ہے، جیز  
میں وہ کینال دیو ہاؤسنگ سوسائٹی کا پلات وے رہے ہے  
ہیں۔ دوسری ایک ایر ہو شش ہے وہ بذات خوب سب  
سے بڑا اور دیتی جیز ہے، ہزاروں روپے ہر ماہ کمائی ہے  
اور تیسری سے خیز جو بھی ہے، میں نے تو آپ کا بھلا  
کرنا چاہا، آخر آپ سے رشتہ ہے۔ آپ کی پریشانی اگر  
میرے توسط سے تم ہو تو اس سے بڑی خوشی اور کیا ہو  
گی۔“

”تیمور نھیک کہہ رہا ہے“ شمع! فراہم بھلا لڑکا ہے،  
عرصے سے اسے جانتی ہوں۔“

”عرصے سے؟ اور آج آپ پہ امکشاف ہوا، کیم  
وہ بھلا لڑکا ہے۔“ تیمور نے جتنا یا جس پہ وہ شرمندہ  
ہوئے بغیر کہنے لگیں۔

”اس سے ایک دریسہ گلہ تو مجھے ہے کہ رہائی  
سے تمہاری دلچسپی ختم کرنا نہیں میں بڑا باہر نہماڑے  
اور اس کے یارا نے کلہرنا ہے۔ اس کا کیا ہے، باب کا  
چلتا کاروبار ہے، شہر میں دو تین فروختیں ہیں۔ الیف  
اے کرنے والی سنبھال رہا ہے مگر تم تو بیٹھے رہ گئے  
تال۔ اور جتنے اس کی بیکن کا رشتہ تھماڑے  
ہاتھوں طے پایا تب سے یہ حار اور بردھی کی یوونگہ ہی  
سے شہر پا کے تھم نے یہ کام پکڑا جو مجھے ایک آنکھ نہیں  
بھاتا۔ لیکن جہاں تک نازدی بی بات ہے۔ تو ایمان  
داری یے کہوں گی بیٹی کی ماں کی نظر سے دیکھو تو یہ  
رشتہ واقعی بے عیب ہے۔ لاس کی ماں بھی سیدھی  
سادی محبت کرنے والی عورت ہے۔ لکھاڑتے بیتے لوگ  
ہیں مگر شوماڑی ذرا نہیں، نہ ہی کسی چیز کا طمع ہے، ناز  
خوش رہے گی انشاء اللہ۔“

”بنن! خوش تو وہ تبرہے گی جب راضی ہوگی۔  
تمیں لڑکا پسند ہے تو میں کیا کہہ سکتی ہوں لیکن ناز کو  
مناؤ تو بات ہے۔“

”شمع! برانہ مانا، لڑکی ذات کو اتنا سرجھانا ٹھیک  
نہیں۔ ایکی خود سر تو یہاں شہر کی کمنیہ زور لڑکیاں بھی  
نہیں۔ ہو گا کہیں امیر گھر انوں میں ایسا رواج رکھے مگر  
ہمارے تمہارے جیسے سفید پوشوں میں پھیاں سرجھانا ٹھیک  
نہیں۔“

کے جہاں مال باب کہیں، ہاں کرو یا ہر بھر  
کتنی ہی لاڈی کیوں نہ ہوں۔ ناز کی تریست میکل کر  
چوک ہو گئی اور کسی سے یہ بات میں ہرگز نہیں کیا کہ  
لوگوں میں بھی بات سننے کا یارا ہی نہیں رہا لیکن نہ کہ  
کہہ رہی ہوں، کیونکہ جانتی ہوں، تم میری بات ہے براز  
مانو گی۔“

”شاپید تم ٹھیک کہہ رہی ہو، لیکن قصور نہ میرا  
نہ اس کا۔ سراسر حالات کا قصور ہے کچھ بات فطری  
مزاج کی بھی ہے۔ مجھے ہنس کے سہہ، جانے کی ناوارت  
ہے بک لوگ بیٹھتے ہیں جیسے میں بے حس ہوں یا پھر  
ضرورت سے زیادہ وسیع القلب کہ بڑی سے بڑی سے

النصافی پہ بھی رو عمل ظاہر نہیں کرتی، ہر طعنہ جمل  
لیتی ہوں۔ میں میرا بھی دکھتا ہے مگر کیا کردا۔  
عادت سے میچھوڑنے ہوں، سن کر بھی یہ ظاہر کر دیں  
ہوں جیسے اسکے کانوں کیلاز ہر میں بچھا طعنہ کچھ مل دیں  
نہیں آیا۔ مگر ناہز ایسے خاندان پہ پڑی ہے ایک کے  
بدلے چار سنانے والی بحمد پیری بیگی جان کے  
خاندان برا اوری والوں نے اس کے ساتھ بھی اونچ کر

ٹھیک بہو شروع ہے میرے ساتھ گرتے آرہے تھے لیکن  
رہوا یہ کہ اُن کا مقابلہ مکر رئی تھی اس کا انا منازع کردا  
ہو گیا۔ زبان چل چل کے ایجاد چالو ہی ہو چکی ہے لیکن  
میری بخود کی پسند کی پھی سے مجھے چاہتی بھی بنت

ہے اور میرا لہشیاں بھی بست رکھتی ہے۔ تم نے اتنے  
دیوں میں دیکھا ہی ہو گا کہ کام کا ج میں کتنی پھر تباہ  
ہے۔ گھر میں مجھے تنکا تک نہیں توڑنے دیتی۔“

”دلیں پہلے بتا تھیں مجھے یہ بھی کوئی مسئلہ  
بھلا؟“ تیمور نے چٹکی بجائی۔ ”تنکوں کا کیا ہے،  
یہاں چھتیے جی چاہے تو دلیں، ابھی لا کر ڈھیر لگا رہا  
ہوں۔“ اس کا نہ اُن کے سر سے گزر گیا۔

”ہائے صفائی! چھوٹی خالہ کامنہ کھلے کا ٹھلاڑا گیا۔  
”تمہارا لڑکا کتنا بے میرا مطلب ہے بھولا ہے۔“  
ضبط کرتے کرتے بھی امی کے ہونوں پر مسراہ  
آہی گئی تھی۔

کہا اب میں اس جلیبیاں تلنے والے سے شادی کیا۔ حسب توقع نازنے پہلا اعتراض یہ کیا کہ دل کا حلواں مل رہا ہے تاشکری لڑکی! یہ کیا کم ہے کہ تم سمجھی سویڈش گھریہ نہ بنانی پڑے گی۔

”مگر آپ سمجھ نہیں رہے۔ ہیں وہ مرف ایف اے اور میں ایم اے کر رہی ہوں۔“

”اہل دن اتنا سمجھایا مگر یہ یمور سنجیدہ ہو گیا۔“

”تمہیں یہ سمجھاؤں۔ تعلیم کی اہمیت اور اللہت سے بمحض انکار نہیں۔ تعلیم انسان اپنے لیے ماضی کرتا ہے تم نے کی، اچھی بات ہے مگر ماضی کو زندگی میں آگے بڑھنے کے لیے برکاوٹ مت تعالم کو زندگی میں پڑتا اگر تمہارا شوہر تم سے تعلیم نہیں دے۔ کوئی فرق نہیں پڑتا اگر تمہارا شوہر تم سے تعلیم میں کچھ درجے کم ہو گا تو۔“ اتنی کم طرف مت بنو۔ تم

”ہاں اور ڈاکٹرز انجینئرنگ، کالج، سرکاری افسروں کے باوجود یہیں تم بخوبی اندرازہ لگانے کی ہو۔ مگر ہاں حال یہ ہے کہ مایا کو مایا پڑھنے کر کے لمبے ہاتھ پر اپنے رشتہ ایسی لڑکی کا چاہا ہے جو جلوہ بیانی میں ان کے ہم پلے نہیں بلکہ پچھے اور رہی ہو۔ جیز میں محض ضروری پاٹیت زندگی کی چیزوں جسے افریقی ایسے کی اُلیٰ دی تکنہ دیکھی تھی۔ فراہم کوئی بخدا این پرستھ تو نہیں۔“

اس لیے حقیقت پسندی سے کام لو۔ تم میں کوئی سرخاب کے پر نہیں لگے، نہ تم اپنی اسیں و جمیل ہو نہ ہی پاکستان کی پہلی لڑکی جو ایم اے کر رہی ہے اور نہ سارے گھروالے نہایت شاستری مردم ہو اور زمانے کے ساتھ ساتھ چلنے والے ہیں۔ پتا نہیں، تمہارے ہمراز میں بھروسے کیا تصور ہے۔ مٹھائی اور ڈبل روپی بنا دینے والوں کا۔

”تمہارے چک کی کسی شنگ کی گلی کے اوپرچھے لے سکتے ہے جو برفیاں، چار گلاب جامن اور گرداءی سامنے رکھ کے جلیبیاں تلنے والا حلواں نہیں۔ درجن بھروسے کے ملازم ہیں۔ دو دکانیں خوب چل رہی ہیں اور تیری براں بجا بھی فرہاد کی نگرانی میں کھل رہی ہے رہاں بیکری کے ساتھ ساتھ فاسٹ فود بھی ہو گا۔“

”اے کچھ کچھ آماڈہ پا کے یمور نے دو سر احراب اختیار کیا۔“

”پنی امی کا خیال کرو، جب وہ گاؤں واپس جائے“

پھٹت۔ اور بھکڑا لو شو ہر۔ "اس نے خونٹ تک اگھر کشی کر کے اسے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ "خانگی آسودگی کی میں اوناں۔ بکہ سماں آسودگی، خانگی آسودگی کیا کیا دینے کا

اراہ کر کھا ہے۔" بھولی خالہ نے منع کرنا چاہا کیونکہ وہ بتا چکی

"تو یہیں کہ ناز کے جیز کے لیے انہوں نے کیا کیا دینے کا

راہ ہموار کرتی ہے۔" "تو کیا ہوا، میری تو کوئی بیٹی ہے نہیں، بیٹیوں والے

سارے شوق میں ناز کی پورے کروں گی۔"

"اب تم بھی کھڑیں یہی لانے کی فکر کرو۔ تیمور اس

قابل تو ہو، ہی کیا ہے۔" انہوں نے صلاح دی۔

"اے اس بات کا دھیان، ہی کہاں سے ہے پہلے شر

بھر کے رشتے تو طے کرائے۔" وہ اکتا ہے لبجھ میں کہتی

کہتی ہے۔

اور وہ شاید مان گئی تھی، اس لیے خاموشی سے سر

جھکا کے اپنی ہتملی مسلنے لی۔

"تو یہیں یہ رشتے منظور ہے۔" بولو۔

منظور۔" "جو اللہ کو منظور۔" اس نے طویل ہمایں بھری۔

\* \* \*

One

منگنی کی سادہ سی رسم یہیں ادا کریں گئی۔ اس کے

ایک ہفتے بعد بھولی خالہ کی روائی تھی اور اس ایک

ہفتے میں ناز کے اندر خاصی بڑی تبدیلی محسوس کی گئی۔

تیمور سے بلا وجہ خار کھانے والی ناز اب اسی

دوستانہ انداز میں پرانی بیٹیوں کی طرح باتیں کرتی

رکھاتی رہتی۔ بھولی خالہ بھی تیمور کی منتکوری یہیں کہ اس

نے وہ کام کر دیا جو انہیں ناممکن نظر آ رکھا تھا یعنی اس

کے سرے والے خناک بارہ نکال پہنچنا جو جاری جماعتیں

پڑھنے کے بعد ان سماں اتنا لوارہ جبے چاروں یہیں سوچ

سروچ کے افراد اور ماوس ہوتی رہتی تھیں کہ اپنی کم

حیثیتی کے ساتھ وہ بھی اپنے کے مطلوبہ معیار کا رشتہ کیسے

ڈھونڈیں گے اب نہ صرف ناز اپنی ضد سے دست

بردار ہو گئی تھی بلکہ تیمور کی وجہ سے اتنا اچھا رشتہ بھی

مل گیا تھا۔ شادی دو ماہ بعد ہونا طے پائی تھی اور اس کی

تیاری کے لیے انہیں جلد از جلد گاؤں واپس پہنچنا تھا۔

تیمور کی امی اس ایک ہفتے کے دوران ناز کو چار مرتبہ

بازار لے گئیں تاکہ وہ اپنی مرضی کی شانگ کر لے۔

"اوہ بھی جو چاہئے یا جو رہ جائے، لسٹ بنانے کے

دے جانا، میں ساری شانگ مکمل کروادوں گی اور ہاں،

تمہارے دلیے کا جوڑا توڑا کے والوں کے ہاں سے

آئے گا البتہ شادی کے دن والا انعروں سی لباس میری

طرف سے تحفہ ہو گا۔ تم آج چل کے پشند گروہ میں

میں آرڈر دے سکوں۔"

"بات تو آپ کی ٹھیک ہے لیکن دل میں میرا

مطلب ہے دل پر کوئی اختیار تھوڑا ہی ہوتا ہے۔

کبھی تو اپنا ہوا ہو گا کہ کسی بست اچھی لڑکی کو دیکھ

کے سی۔ یا کسی بہت اچھی فیملی سے مل کے آپ کو ایسا

لگا ہو، یہاں اپنی بات چلانا چاہیے۔"

"لیکن تمہارا مطلب ہے کہ کسی کو دیکھ کر میرا دل

دھڑک اٹھا ہو، ذہن میں گھنیٹاں سی بچ گئی ہوں۔

من میں تمنا میں جاگ اٹھی ہوں۔ دغیرہ دغیرہ۔

One

@



بھی زیادہ لوگ اس لیے نہ شامل ہوئے تھے کہ کم کا کوئی  
کمی ہٹنے کے سفر کے بعد ہماں بارات لے جانے میں  
دچکنے تھی۔ زیادہ تر خاندان کے مردوں گئے تھے، اس  
لیے غوراں کی اکثریت ناز کے گھر اور اس کی دشیت  
سے ناواقف تھی۔ وہ لوگ اسے ہماں کے ترین  
جاگیردار نہیں دار کیا۔ بھی بھجوڑے تھے

مشکل و صورت میں بھی میری بسولاکھوں میں ایک  
ہے اور مزانج اور عادتوں کے لحاظ سے بھی بے مشکل  
ہے۔ ”فرہاد کی امی نے وضاحت کی۔

”اور الحمد للہ شریف اور باعزت گھرانے سے آغاز  
کے رہا روپے پیسے اور زیور کرنے کا سوال تونہ ہیں یہ  
کس کا لائق ہے، نہ ہم نے کچھ لیا یہ رشتہ صرف  
اور صرف ایں نے اللہ کی ذات پر توکل کرتے ہوئے  
اس امید پر کیا کہنے جسے میری بی بی اپنے گھر میں سکھی  
ہے وہ یعنی انشاء اللہ کی اور کی بی بھی میرے گھر کو  
خوشیوں سے بھر دے رکے۔“

سر جھکائے بیٹھی ناز گا دم ہر تا حوصلہ نئے سرے  
سے جوان ہو گیا۔

”میری بیوی کا راشہ کرایا تھا، میری کے پوچھنے پر ناز کو اچانک جھٹاں آیا کہ شادی کے پینٹاموں میں اس نے نہ تو یمور کو دیکھا تھا۔“  
”مجھے ملوانا اللہ بن سے میری دو بھائیں ہیں۔ بڑی پیاری تھیں میں کیا بات ہے، اب تک کیسی بات نہیں جرم کی۔“

”ضرور ملواتی“ اگر وہ ارے دہن کو تو کمرے میں  
لے جاؤ بے چاری تھک گئی ہو گی۔ ان کے کہنے پر  
فوراً ہی فرہاد کی بہن اور چند اور لڑکیاں اسے تھام کے  
اس بھرپورے کمرے سے فرہاد کے بجے سجائے  
کمرے میں نہ لے جائیں لگیں۔

”ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ اگر وہ یہاں ہو تو میں ضرور...“ جاتے چلتے اس نے بس یہ سناتھا۔

نہیں تھا۔ ” اس کے لئے آپ خود

بیان پڑھے جنہیں ایسا کیا کہ آپ نے۔

بہت ہے: ہے دوستِ عالم! جامنی نہیں کرنا چاہیے تاہم  
”معنی خاطر کا نیسٹ اتنا جامنی نہیں کرنا چاہیے تاہم  
بیرا یعنی لوادس نیلے کے بچپن دنوں و جوہات کا  
امرا کا تمیل دشل تھا۔“

برابر ہے۔ برابر کا یا تو انسان خود غرض ہو گا یا  
”ہونے“ برابر کا یا تو انسان خصوصیات ”برابر“ کی مقدار میں  
بے غرض یہ دو نوں خصوصیات ”برابر“ کی مقدار میں  
کسی میں نہیں پائی جاتی۔ ”جاتے جاتے نازنے“ پہچپے  
مرکے دیکھے بغیر کہا تھا۔

دو ماہ بعد وہ دن آیا تھا جب فریاد و ہوم و ہام سے  
اسے بیاہ کے اپنے بھوگل سے گھر میں لے آیا  
تھا۔ اس کی بیٹی اور بیٹنے نے حقیقی خوبی کے ساتھ  
اپنے گھر میں نہ کا استقبال کیا تھا۔ ان کی اندر اونی  
سرت اور محبت پر اپنے بھروں پر سختی پڑھ رہی  
تھی۔ ناز کا وسوشیوں اور اندیشوں میں گھرا ذہن ایک دم  
کا چمکا ہو گیا۔

”اُمِّ حَبْشَى شَكْل و صُورَتْ كَمْبِي بَيْهَى مَكْرَهَمْ تُو سَجْدَهَ رَهَبَهَ  
تَهَهَ كَهَ اَكْلُو تَالِرَهَ كَا هَءَيْهَ خَرْبَهَ چَهَانَ پَهْنَهَنَهَسَهَ كَهَ كَوَيَ جَهَرَهَ  
پَرَى لَادَهَگَيْهَ۔ ”پَيَ نَهَيْنَ اَسَ عَوْرَتَهَ كَاتَازَكَى سَاسَ سَےَ كَيَا  
رَشَتَهَ تَهَا جَسَ نَهَدَ دَهَهَائَى كَى رَسَمَهَنَهَ دَوَرَانَ بَاهَ آوازَ  
بَلَندَ تَبَصَرَهَ كَيَا تَهَا۔ اَسَ سَےَ چَلَيَهَ كَهَ دَهَ كَوَيَ جَوَابَ دَيَتَيَهَ  
اَيَكَ اَورَ تَيَزَ طَارَسَى آوازَ سَنَائِي دَيَـ۔

”بھی۔ امیر خاندان کی ہوگی، خوب زیور پیسے لائی ہوگی۔ ایسے میں حسن کو کون جانتا پھرے۔“  
منکنی تو انتہائی سادگی سے ہوئی تھی، فرہاد کی امی نے  
اپنے شوہر بیٹی اور داماد کے ہمراہ تیمور، ہی کے گھر آکے  
اسے انگوٹھی پہنائی تھی اور بعد میں میں محلے اور خاندان  
میں یہ خبر مٹھائی کے ساتھ بانٹ دی تھی۔ باڑاست میں

نہ اس کے بیان میں یہ گناہ پڑے۔ وہ شرمنی کے بیب، غریب تھے پسونے کے نام وہ شرمنے سے مبتدا ہے ایک دماغیں اور بے شرمنہ تیرتھ بھرے بہت بے زبانی سے کر کے فراہم کیا۔

پھر اپنے احمدیوں سے نہیں باتی۔ آدم حلازون کے اس نے خقر سا، تند دما اور پھر اس کے بہت سے رات باتیتے ہوئے خقر، تکمیل کیا۔ وہ مزدہ شرمنہ کے وہ قسم کے تہیں بھے سے شاری

تیمور نے بتایا تھا لیکن کہ تہیں بھے سے شاری رن میں یہ امراض تھاں کے تہیں بھائیاں تلنے اور باخرا بیان کونڈہ دالے سے شادی نہیں کرتا۔

”جس نہیں وہ تو بس۔“ وہی بھری کے شرمنہ ہوئی۔ (یہ بھلا کوئی موقع یہے اس قسم کی گرفتوں کا اور جس کی باتیں یاد دلانے کا۔ تیمور بھی ہال کیا ضروت)

لوراں کے ساتھ ہی ایک بار بھرا سے تیمور گئی غیر

موجودگی بری طرح بھسوکی ہوئی وہ فرمادے اس کے

مشعل سے خود کو روکا بے شک فرمادے تیمور کا اچھا

لداست تھا مگر اب وہ اس کا شوہر بھی تھا۔ شادی کی پہنچ

رات کو ایک بھی بی دہن ائنے دلہا سے کوئی پیر مجبور نہ

کے بارے میں دریافت کرنی تھیں قدر نامعقول تھا۔

”میں خانہ ہوں، کئی لحاظ سے میں تمہارے قابل

نہیں تھا مگر اس کے باوجود وہ میرا ساتھ قبول کر کے تم نے

مجھ پہ بست بڑا احسان کیا ہے؟“

”احسان سے احسان کیسا؟ آپ کیسی پاتیں کر رہے

ہیں۔“

”اور یقین کرو میں پوری کوشش کروں گا کہ نہیں

لکھیں زندگی میں کبھی اپنے اس فیصلے پر چھتنا نہ

پڑے۔“

”ایسا بھی شیئر ہو گا“ میں اپنے آپ کو خوش

تمت سمجھتی ہوں کہ مجھے آپ جیسا میں“ مدھم

توں میں بھی خوش کرنے بات کہتے کہتے اسے دھنگا۔ (تھیں) ایسے ضرورت تھی اور وہ لڑکی کوئی اور نہیں، لہ خود ساری ہیتے تھے میرا اور نسکرا کے جب ہو گئی۔

دریاصل تیور نے بھی خاصاً زار آگھا تھا۔ وہ تو کہتا تھا کہ تم بست مشکل سے رشامند ہوئی ہو اوسے اچھا اب سمجھا۔ ایک نمر کا فرازیا ہے یہ بھی۔ جان گیا تھا کہ میں کس بھی طریقے میں اسے نہ اہو چکا ہوں، اس لیے ایک طرف تجھے اسید دل آہا ہے تم صرف میری بنوی اور دسری طرف کام کو مشکل نہیں کرنا ہے اس مطلب بھی نہ لتا رہا۔ خیر جمال رہے خوش رہتے ہوئے تھے اپنا لو بھلا کر گیا۔

”تلکر کھل گیا۔ میرا مطلب ہے کہ کیا وہ کمیں چلے گئے ہیں؟“ اس بارہ خود کو سوال کرنے سے روکنے پائی۔

”ایمان دا بھلے سے جزیہ کرنے کے بعد میں نے اس دوسرے شخص کو الٹھپنے مقابلے پہ کئی گناہ بتر پایا تھا، اس لیے اپنے پیشے سے ایمان دا بھلے کا ثبوت دیتے ہوئے میں نے“

”میں پھر اپنے بھلے کی کیا ہے؟“ فرمادی آفی از اسے خیالوں سے ڈالپن تیچ لای۔ بھلے ہوئے سر اور گھونکھٹ کی وجہ سے اس کی چہرے کے تاثرات فرمادے سے چھپے ہوئے تھے بدقیق تمام اُن پیشے اپنے دل کو اس کیفیت سے نکالنے کی سعی کی۔

”میں پچھے نہیں سس پچھے بھی تو نہیں۔“

کہنے کو اس نے کہہ دیا کہ ”پچھے بھی نہیں۔“ مگر حقیقت یہ تھی کہ اس کے دل میں عمر بھریہ سوال آتا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ وہ کسی بھی طرح میں

منلے گا مگر انعام یا معاوضے کے بدالے اسے کینڈا کا نکٹ چاہیے۔ مجھ پہ تو صرف تھمیں پانے کی دھن سوار تھی چند ہی دنوں میں ارتیخ کر کے دے دیے۔

”اور آپ نے محبت یہ ضرورت کو ترجیح دی؟“

اسے وہ الزام یا و آیا جو اس تھے جسے حد شاکی آنداز میں تیمور کو دیا تھا، یہ جان کر کہ وہ اپنی محبت ہے تو ستردار ہو گیا تھا۔ صرف ایک ایسی چیز کو پانے کے دلے جس کی

”ارے تمہیں نہیں پتا۔ وہ کینڈا طلا گیا کے میں نے ہی تو اس کے جامنے کے بیٹے انتظامات کرائے تھے بلکہ اصل بات تھی ہے لکھنکٹ وغیرہ بھی میں نے لے کر دیا تھا۔ میرا ایک کزن جو میرا ہے اس اچھا دوست بھی ہے، وہاں پہنچلے آٹھ سالوں سے سیہل تھے اس کے ماس، ہی بھی تھے جنہیں تیور نے بھی دوست کی پیشے کیا۔“

”مگر آپ نے اپنا خرچا کس لیے کیا؟“

”تمہارے لیے جان تھے فرمادے اس کے چہرے پہ جھولتی لٹ کو ہولے سے چھوٹے ہو چکے کہا۔

”تیمور جانتا تھا کہ میرے کزن پے کیے اس کو دیا بلانا خاصاً آسان ہے، صرف میرے کہنے کی دیر ہوتی مگر اس کا دوسرا مسئلہ نکٹ بھی تھا جو کم پیسوں میں نہیں آتا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ وہ کسی بھی طرح میں منلے گا مگر انعام یا معاوضے کے بدالے اسے کینڈا کا نکٹ چاہیے۔ مجھ پہ تو صرف تھمیں پانے کی دھن سوار تھی چند ہی دنوں میں ارتیخ کر کے دے دیے۔“

”اوہ الزام یا و آیا جو اس تھے جسے حد شاکی آنداز میں تیمور کو دیا تھا، یہ جان کر کہ وہ اپنی محبت ہے تو ستردار ہو گیا تھا۔ صرف ایک ایسی چیز کو پانے کے دلے جس کی